سلسلہ مطبوعات
۲۹۸

مولانا علی میاںؒ
اور
علمِ حدیث

ابو سحبان روح القدس ندوی

جملہ حقوق محفوظ

بارِ اوّل

۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰ء

کمپوزنگ	:	یونک کمپیوٹر سنٹر شباب مارکٹ ندوہ روڈ لکھنؤ فون نمبر: 788193
طباعت	:	پاریکھ آفسٹ پرنٹنگ پریس لکھنؤ
قیمت	:	Rs. 20 / =
تعداد	:	دو ہزار

طابع وناشر

مجلسِ تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ باکس نمبر ۱۱۹ لکھنؤ

عرضِ مؤلف

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده.

أما بعد! وسط مارچ ۱۹۹۷ء کی بات ہے، اردو اکاڈمی اتر پردیش نے "مولانا سید عبدالحی حسنی حیات وخدمات" پر سمینار منعقد کیا، گو سمینار کے لئے بہت سے موضوعات کا اعلان ہوا لیکن "مولانا عبدالحی اور علمِ حدیث" کا پہلو تشنہ تھا، مخدوم ومعظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس کمی کو محسوس کیا، اور راقم کو اس گوشہ کی طرف توجہ دلائی، حضرتِ والا کی خواہش اور ان کی دعاء سے مقالہ تیار ہوا اور ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی صدارت میں پڑھا گیا۔

عجب حسن اتفاق کہ ۲۵/۲۶/مارچ ۲۰۰۰ء کو شعبۂ دینیات (سنی) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں منعقد ہونے والے "مولانا علی میاں سمینار" میں شرکت اور "مولانا علی میاں اور علمِ حدیث" کے موضوع پر مقالہ پڑھنے کا دعوت نامہ موصول ہوا، موضوع بڑی اہمیت کا حامل اور محنت طلب تھا، سمینار میں شرکت اور مقالہ پیش کرنے کے شوق میں اس موضوع کے جتنے "مظان" ممکن تھے دیکھنا شروع کیا، مولانا کی "کاروانِ زندگی" نے قدرے رہنمائی کی اور ہمت بندھی، "مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں" مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ میں مولانا کے پر از معلومات مضمون سے بڑی مدد ملی، پھر "صبح صادق" لکھنؤ ۱۹۵۶ء کے دو خصوصی شمارے ایک قرآن نمبر اور دوسرے حدیث نمبر دیکھنے کا اتفاق ہوا، قرآن نمبر میں مولانا کا مضمون "میرے مطالعۂ قرآن کی سرگزشت" اور حدیث نمبر میں "میرے مطالعۂ حدیث کی سرگزشت" نے ہمارے مقالہ کی راہ ہموار کی، علاوہ ازیں حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے تین قیمتی رسالہ: (۱) "المدخل إلى دراسات الحديث النبوي الشريف" (۲) "دور الحديث في تكوين المجتمع الإسلامي" (۳) "الإمام محمد بن إسماعيل البخاري وكتابه الجامع الصحيح" کی ورق گردانی مزید باعث تقویت ہوئی، بحمد للہ علی گڑھ کے سمینار میں شرکت اور مقالہ پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، جس کے لئے میں ڈاکٹر سعود

عالم قاسمی (ناظم شعبۂ دینیات علی گڑھ) کا تہ دل سے شکر گذار ہوں۔

۲۸/۲۹/۳۰ / مارچ کو "جامعہ سید احمد شہید" کٹولی ملیح آباد میں حضرت مولانا پر سہ روزہ سمینار میں شرکت اور "مولانا علی میاں اور جماعت اہل حدیث" کے موضوع پر مقالہ لکھنے کا دعوت نامہ پہلے سے ہی موصول ہو چکا تھا، موضوع کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظرلیت ولعل اور امروز و فردا میں وقت نکل گیا اور علی گڑھ سمینار کے لئے مقالہ کی تیاری نے بھی مہلت نہیں دی، محبی مولانا سلمان حسینی کی فرمائش پر علی گڑھ سمینار میں پیش کردہ مقالہ قدرے حک و فک کے بعد ان کی "جامعہ سید احمد شہید" کے سمینار میں ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی کی صدارت اور اہل علم ودانش کی مبارک مجلس میں یہی مقالہ "علی گڑھ سمینار" کے مقابلہ میں کافی دلچسپی سے سنا اور سنایا گیا، اور پسند کیا گیا، ڈاکٹر صاحب اور اساتذہ وتلامذہ کی طرف سے بھی داد ملی، والحمد للّٰہ علی ذلك۔

استاذ گرامی جناب مولانا سید واضح رشید ندوی جن کی شفقت وعنایت ۱۹۷۲ء سے اس راقم آثم پر ہے، ان کی نظر سے ہمارا مقالہ گذرا تو انھوں نے نہ صرف سراہا بلکہ "مجلس تحقیقات ونشریات اسلام" ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کرنے کی تجویز رکھی، مجلس کے ذمہ داروں نے ان کی تجویز کو قبول فرمایا اور مجلس کے صدر اور ناظم ندوۃ العلماء مخدوم گرامی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اس رسالہ کے لئے حوصلہ افزا مقدمہ بھی عنایت فرمایا، راقم ان دونوں بزرگوں کا شکر گذار اور رہین منت ہے۔

رسالہ ھذا تین فصلوں پر مشتمل ہے، فصل اول: "مولانا علی میاں کی تعمیر سیرت میں شخصیات وکتب" اس فصل کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا تاکہ مولانا کی تعلیمی نشو ونما اور فکری ارتقاء کے آئینہ میں مولانا کے مطالعہ حدیث کو بآسانی سمجھا جا سکے، فصل دوم: مولانا علی میاں اور علم حدیث" اور فصل سوم "فضلائے ندوہ کی حدیث اور تاریخ علم حدیث میں تصانیف، مقالے، مضامین اور ترجمے وغیرہ" کا مختصر اشاریہ بھی "الشیئ بالشیئ یُذکر" کے تحت درج ہے"۔ صلی اللّٰہ وسلم علی رسول اللّٰہ وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہ ووالاہ۔

ابو سحبان روح القدس

شعبۂ حدیث۔ ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

۲۰/ صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۵/ مئی ۲۰۰۰ء

مقدمہ

استاد گرامی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی حفظہ اللہ
ناظم
ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

الحمد لله رب العالمين و الصلاة والسلام على رسوله الكريم و على آله وصحبه أجمعين . أما بعد !

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلیمی و علمی اختصاص تین موضوعات میں خاص طور پر زیادہ رہا، ایک ادب جس سے انھوں نے دعوت و اصلاح و تربیت دینی کے کام میں فائدہ اٹھایا، دوسرے قرآن مجید جس کی تدریس اور تفسیر ندوۃ العلماء میں ان کی تدریسی خدمات کا اہم جزو بنی، عامۃ المسلمین میں قرآن مجید کے درس سے مولانا کے تفسیری افادات سامنے آئے، تیسرے حدیث شریف جس کی تعلیم انھوں نے اولاً ندوۃ العلماء میں اس کے شیخ الحدیث مولانا حیدرحسن خاں ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی طور پر حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند میں اس کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنیؒ سے استفادہ کیا، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اس کی تدریس کا کام بھی کیا، بعد میں حدیث شریف کی اہمیت و افادیت کی علاحدہ علاحدہ خصوصیات پر مضامین اور کتابوں کے مقدمات بھی لکھے۔

حدیث شریف کا موضوع مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں موروثی طور پر چلا آرہا تھا، ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا انتخاب بھی تیار کیا، پھر اس کی شرح بھی لکھی، اور وہ اس پر زیادہ وقت صرف کرنے کا ارادہ بھی رکھتے تھے، لیکن عمر نے وفا نہ کی کہ وہ یکسو ہو کر صرف حدیث شریف کے ہو جاتے، لیکن اس پر انھوں نے جو کام کیا وہ مقبول ہوا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے اجداد میں بھی حدیث شریف سے خصوصی اشتغال کا سلسلہ رہا، اس طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث شریف سے خصوصی ربط رکھنا فطری امر تھا۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے فاضل اور حدیث شریف کے مدرس مولانا ابو سحبان ندوی نے مولانا علی میاں صاحبؒ کے والد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب (تہذیب الاخلاق) کی بڑی مفید اور محققانہ شرح لکھی جو مقبول ہوئی، پھر انھوں نے حال میں مولانا علی میاںؒ پر منعقد ہونے والے سمینار کے لئے ان کے حدیث کے ربط کو اپنے مقالے کا موضوع بنایا اور توجہ صرف کر کے ایک قیمتی اور مفید مقالہ تیار کر لیا، یہ مقالہ اپنی خوبی اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث شریف سے تعلق کو بڑے اچھے طریقے سے واضح کرتا ہے، لوگوں کی رائے ہوئی کہ اس کو اس کی افادیت کے پیش نظر مستقل رسالہ کی شکل میں بھی شائع کیا جائے، عزیز مکرم مولانا ابو سحبان صاحب کی خواہش ہوئی کہ میں اس کے لئے چند تعارفی کلمات لکھ دوں، ان کے تعلق کی قدر میں میں نے یہ چند سطریں تحریر کی ہیں، میں دعا گو ہوں کہ یہ رسالہ زیادہ سے زیادہ افادیت کا حامل ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

خاکسار

محمد رابع ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰ر صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۵ر مئی ۲۰۰۰ء

فصلِ اول

مولانا علی میاںؒ کی تعمیر سیرت میں شخصیات وکتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا علی میاں جس خانوادہ کے گل سر سبد ہیں، اس کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی نے فرمایا تھا:

"جس نے سنت کی اشاعت اور بدعت کے ازالہ کا کام ایک صدی پہلے سے شروع کر رکھا ہے، اور جن کے انوارِ برکت ملک میں ہر جگہ نمایاں ہیں"(۱)

مولانا کے خاندان کا علمی و دینی پس منظر خود ان کی تصنیف "حیات عبدالحی" کے ابتدائی ۶۵ صفحات اور ان کی خود نوشت سوانح "کاروانِ زندگی" کے پہلے حصہ میں تفصیل سے دیکھا جاسکتا ہے۔

تاریخ نویسی، سوانح نگاری اور ادب و حدیث سے اشتغال اس خاندان کا نمایاں امتیاز رہا ہے، "قمقام الإسلام"، "صمصام الإسلام" "أعلام الهدى"، "مہر جہانتاب"، "سیرۃ السادات"، "سیرت علمیہ"، " نزهة الخواطر "، " الثقافة الإسلامية في الهند "، " الهند في العهد الإسلامي "، "گلِ رعنا"، "تهذيب الأخلاق "اور "تاریخ دعوت و عزیمت" کا زریں سلسلہ اس کا بین ثبوت فراہم کرتا ہے۔

مولانا اپنے خاندان کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"خاکسار کا خاندان ایک خزاں رسیدہ دینی خانوادہ ہے، جس کے بزرگوں نے کبھی فصل خزاں میں بھی دین کا پیام بہار سنایا تھا، ہندوستان میں جب دین کی بہار آخر ہوئی تو اس خاندان پر بھی تنزل آیا، ہوش کی آنکھیں کھولیں تو دینداری جوانوں سے زیادہ بوڑھوں میں اور مردوں سے زیادہ عورتوں میں تھی"۔(۲)

آگے چل کر مولانا اپنی ابتدائی تعلیم کا حال بیان کرتے ہیں:

"میرے والد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۲۳ء کے شروع میں انتقال کیا، میری عمر اس وقت ۱۰ سال کی تھی، میرے بڑے بھائی صاحب ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھنؤ میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے، اور میں

اپنے وطن رائے بریلی میں اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ رہتا تھا اور بھائی صاحب کی ہدایت کے مطابق خاندان کے بعض بزرگوں سے فارسی کی کتابیں پڑھتا تھا، اور لکھنؤ بھائی صاحب کے پاس آتا جاتا رہتا تھا"۔(۳)

مولانا کے بچپن میں ان کے گھر میں خاندان کے ایک بزرگ سید عبدالرزاق کلامی (م ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء) کی "صمصام الإسلام" (جو دراصل واقدی کی "فتوح الشام" کا پچیس ہزار اشعار پر مشتمل اردو میں منظوم ترجمہ ہے) پڑھی جاتی، اس مجلس کی تصویر اور تاثیر مولانا کے قلم سے:

"میری خالہ مرحومہ جب سادہ و بے تکلف لیکن پر اثر لہجہ میں یہ اشعار پڑھتیں تو جہاد کا ایک سماں بندھ جاتا، دل اُمنڈ آتے، حضرت خالدؓ، حضرت ضرارؓ، اور ان کی بہن حضرت خولہ بنت الازور اور دوسرے صحابہ کرامؓ و مجاہدین شام کی جاں بازی اور شجاعت کا ذکر آتا تو مجلس پر ایک کیف و سرور اور نشہ سا طاری ہو جاتا، کسی سخت معرکہ میں مسلمانوں کے گھر جانے اور کسی بہادر کے شہید ہونے کا تذکرہ ہوتا تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، آنسوؤں کے یہ طوفان اٹھتے اور برستے تو ان کا چھینٹا ہمارے معصوم دلوں پر بھی پڑ جاتا، اور اس نرم مٹی کو تر کر جاتا"۔(۴)

ان مجالس کا مولانا کے دل و دماغ پر کیا اثر پڑا، مولانا کے الفاظ میں:

"فتوح الشام کی ان زندہ مجلسوں نے دل پر یہ اثر چھوڑا کہ مجاہدین کی محبت و عظمت اور اللہ کی راہ میں جان دینے کی قیمت کو کوئی نئی علمی تحقیق اور جہاد کو مدافعانہ ثابت کرنے کی کوئی کوشش کم نہیں کر سکی، خون کے نقش کو سیاہی کے وہ نقوش کبھی نہیں مٹا سکے، جو لیٹے لیٹے یا آرام سے بیٹھے بیٹھے کاغذ پر ثبت کیے جائیں، پھر وہ نقش جس کو بچپن کے پاک آنسوؤں نے بیداری بخشی ہو"۔(۵)

ان مجالس کا مولانا کے فکر و خیالات پر ایک اور اثر ہوا، انھیں کے الفاظ میں:

"دوسرا اثر یہ ہوا کہ اس قوم و مذہب کے خلاف (عیسائیوں) جن کے مقدر میں قیامت تک کے لئے اسلام کا عالم گیر حریف و مد مقابل بننا لکھ دیا گیا ہے، اور جس کی قائم مقامی اور وراثت موجودہ یورپ کے حصہ میں آئی ہے، ایک حریفانہ جذبہ اور عناد پیدا ہو گیا، جس پر کسی ملک کے مقامی مسائل و حالات کبھی غالب نہیں آسکے"۔(۶)

مولانا حالی کی ''مسدس'' جس کا اس وقت شریف خاندانوں میں رواج تھا، اس کے اشعار لوگوں کے نوکِ زبان تھے، مولانا نے بھی ''مسدس'' کو بڑے جوش و لطف سے بار بار پڑھا، اور اس کا بہت سا حصہ انھیں زبانی یاد تھا، مولانا کے دل و دماغ پر ''مسدس'' کا اچھا خاصہ اثر رہ چکا ہے، انھیں کے الفاظ میں:

''عام استعداد و معلومات میں اضافہ کے علاوہ اس کا ایک احسان یہ تھا کہ برسوں بعد مغربی مورخین و مصنفین کی یہ کوشش بالکل بے اثر رہی کہ جاہلیت عرب کی اتنی مدح سرائی کی جائے اور اس میں اگر خوبی کے کچھ ذرات تھے تو ان کو خوردبین سے دیکھ کر پہاڑ بنا کر اس طرح پیش کیا جائے کہ معلوم ہو کہ عربوں میں اخلاقی انقلاب کی پوری تیاری تھی، اور کوہ آتش فشاں پھٹنے کو تھا کہ موقع شناسی سے بروقت اس کو چنگاری دکھادی گئی، اسلامی انقلاب کے پیغمبرانہ عظمت اور رسول اللہ ﷺ کے معجزہ کی اہمیت کو گھٹانے کی یہ علمی سازش مولانا حالی کے ان پر اثر اور سادے چند بند پر غالب نہ آسکی جن میں انھوں نے جاہلیت کا نقشہ اور اس کی اخلاقی پستی کی تصویر کھینچی ہے، نہ بعض قوم پرست عربوں کے مضامین اور تالیفات متاثر کرسکیں جو اپنی قومیت کے جوش میں کبھی کبھی جاہلیت کی طرف سے مدافعت کرنے لگتے ہیں، اور اس کے روشن پہلو کے دکھانے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ (۷)

اردو کے ابتدائی مطالعہ اور طالب علمی کے اس ابتدائی دور میں جس کتاب نے مولانا کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ قاضی محمد سلیمان منصورپوری ☆ (م ۱۹۳۰ء) کی ''سیرت رحمۃ للعالمین'' ہے، اس کتاب کی حصولیابی کا پس منظر ذکر کرنے کے بعد مولانا رقم طراز

☆ سابق جج پٹیالہ علم و عمل زہد و کمال اور فضل و ورع دونوں کے جامع تھے، روشن دل اور دماغ تھے، ان کے جدید و قدیم دونوں خیالات حد اعتدال پر تھے، عربی زبان اور علوم دین کے مبصر عالم تھے، توراۃ و انجیل پر فاضلانہ و ناقدانہ نگاہ رکھتے تھے، غیر مسلموں سے مناظرہ کے شائق تھے، مگر ان کے مناظرہ کا طرز سنجیدگی، متانت اور عالمانہ وقار کے ساتھ تھا، مسلکاً اہل حدیث تھے، مگر اماموں اور مجتہدوں کی دل سے عزت اور ان کی محنتوں اور جانفشانی کی پوری قدر کرتے تھے، وہ ندوۃ العلماء کے دیرینہ رکن تھے۔

ان کی مستقل تصنیفات میں رحمۃ للعالمین، الجمال والکمال (تفسیر سورہ یوسف) اور سفر نامہ حجاز، یادگار ہیں، ان کے علاوہ چھوٹے بڑے بیسیوں رسائل ان کے قلم سے نکلے، مگر سب سے زیادہ ——

ہیں :

"اور کتاب میرے ہاتھ میں آئی، بار بار پڑھی، کئی جگہ اور کئی بار اپنے دل اور آنکھوں کو قابو میں نہ رکھ سکا، بعض خاص مقامات کا ہمیشہ خاص اثر پڑتا تھا، اسلام کے ابتدائی مبلغین کے واقعات، حضرت مصعب بن عمیر کی مکی و مدنی زندگی کا مقابلہ، ان کی والہانہ کیفیت، آنحضرت ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری اور حضرات انصار کی مسرت، استقبال اور جاں نثاری، انصار کا ایثار اور مہاجرین کے ساتھ ان کی دینی محبت، آنحضرت ﷺ کی وفات کے واقعات و حالات کا دل پر خاص اثر پڑتا تھا، ٹہل ٹہل کر ان کو پڑھتا تھا، لوگوں کو سناتا تھا اور اس زندگی کی تمنائیں دل میں پیدا ہوتی تھیں.........اس نے سب سے پہلے سرورِ کائنات ﷺ کی محبت کے اس مزہ سے آشنا کیا جس کے بغیر یہ زندگی خاک اور عالم خس و خاشاک ہے۔"(۸)

انھیں دنوں کے کچھ بعد مولانا نے علامہ شبلی کی "الفاروق" پڑھی اور کئی بار پڑھی، فرماتے ہیں :

"عراق کی جنگوں، بویب، قادسیہ وغیرہ کے میدان جنگ کی تصویر مولانا نے جن چھوٹے چھوٹے بے ساختہ و برجستہ جملوں میں کھینچی ہے شاید اس سے زیادہ اثر فردوسی شاہنامہ میں مسلسل اشعار اور پر شکوہ الفاظ اور مبالغہ سے پیدا نہیں کر سکا، "الفاروق" کے جان دار اور گرم جملے اور لفظ شمشیر و سناں کا کام کرتے ہیں، مولانا نے نظام خلافت پر جو کاوش کی ہے اس کے سمجھنے کی اس وقت صلاحیت نہ تھی اور اب اس سے کوئی دلچسپی اور علمی تاثر نہیں ہے، لیکن واقعات کے حصہ کا اثر اُس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے۔"(۹)

رائے بریلی کے قیام میں مولانا سید طلحہ حسنی ایم اے استاد اورنٹیل کالج لاہور سے مولانا نے عربی زبان اور صرف و نحو پڑھی، جس کا مولانا نے جگہ جگہ اعتراف کیا ہے۔

"صحیح عبارت پڑھنے اور صرف و نحو کے ضروری مسائل کے جزو دماغ بن جانے

رحمۃ للعالمین نے قبولیت حاصل کی، اسلامی مدرسوں میں داخل ہوئی، کورسوں میں شامل ہوئی، لوگوں نے ذوق و شوق سے پڑھا، (یادرفتگاں ص ۱۰۶) "رحمۃ للعالمین" کی تینوں جلدوں کا عربی ترجمہ عربی ادب کے مشہور انشاء پرداز، اور "صوت الامۃ" کے فاضل اڈیٹر ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری نے کیا ہے، جو الدار السلفیہ بمبئی سے ۱۴۱۰ھ میں دیدہ زیب شکل میں شائع ہوئی ہے،

میں ان کا بڑا دخل ہے، عربی زبان، صرف و نحو کے علاوہ ان سے اور بہت سے علمی فوائد حاصل ہوئے، اور ذہنی تربیت ہوئی، تاریخی شعور پیدا ہوا، اور اس متنوع ثقافت میں سے کچھ حصہ ملا جس میں ان کو اپنے باکمال معاصرین میں امتیاز حاصل تھا"۔(۱۰)

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :

"عم محترم مولانا سید طلحہ کی صحبت اور مجلسوں میں "آبِ حیات" سے تعارف ہوا، سنی اور بار بار پڑھی، یہاں تک کہ اس کے بہت سے مضامین مستحضر ہو گئے، اشخاص، شعراء اور ان کا کلام دماغ پر اس طرح نقش ہو گیا جس طرح بچپن کی دیکھی ہوئی چیزیں اور سنی ہوئی باتیں، ذہن پر مرتسم ہو جاتی ہیں، اور ان کا دماغ پر کوئی بار نہیں ہوتا"۔(۱۱)

ان کی مجلسوں سے مولانا کو بڑا فیض پہنچا، خاص طور پر سلف کی عظمت کا سکہ مولانا کے دل پر بیٹھ گیا، مولانا کے الفاظ میں :

"ان کی مجلسوں میں سلف کی عظمت، متقدمین کے مراتب سے واقفیت اور ائمۂ اہل سنت و محدثین کی محبت و عقیدت ضرور پیدا ہو جاتی تھی، اس بارہ میں ذاتی طور پر مجھ پر ان کا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے صحابہ و سلف کی عظمت اور ائمۂ محدثین اور سنت کے علمبرداروں کی محبت و عقیدت ایسی دل میں جاگزیں کر دی کہ کسی دور میں بھی کوئی مطالعہ و تحقیق اور کوئی صحبت اس پر اثر انداز نہیں ہوئی"۔(۱۲)

مولانا اپنے والد کی کتاب "گلِ رعنا" کے پڑھنے کا تذکرہ کرتے ہیں :

"گلِ رعنا" گھر کی کتاب تھی، اس کو اتنی بار پڑھا کہ اردو شاعری کی تاریخ اور شعراء کے متعلق اتنی معلومات ہو گئی کہ اس موضوع پر مجلس میں گفتگو کرنے اور گفتگو میں حصہ لینے کی استعداد پیدا ہو گئی"۔(۱۳)

مولانا کو اپنے حقیقی ماموں زاد بھائی سید ابوالخیر برق حسنی کی صحبت میں زبان کا ذوق اور اچھے برے کی تمیز پیدا ہوئی۔(۱۴)

"اور ان کے چھوٹے بھائی حافظ سید حبیب الرحمان کو اردو شعر و شاعری کا بڑا شوق تھا، ان کا ایک خاص ذوق یہ تھا کہ بچوں سے اساتذہ کے اشعار کا مطلب پوچھتے اور اردو میں تقریر و تحریر کے مقابلے کرواتے، اس سلسلہ میں خاص طور پر مومنؔ، غالبؔ، ذوقؔ اور لکھنؤ کے شعراء میں آتشؔ اور امیر مینائی کے کلام سے ان کو خاص ذوق تھا، چنانچہ ان کے

اشعار سننے اور ان کا مطلب بیان کرنے کے سلسلے میں دماغ پر زور ڈالنے اور مشکل اشعار کے سمجھنے کی عادت پڑی"۔ (۱۵)

"عمر کے اس ابتدائی دور اور زبان وادب کے اس ابتدائی ذوق میں آزاد کی نثر کا جو نثر اردو کا ایک مرصع نمونہ ہے بہت اثر پڑا، بہت دنوں تک "نیرنگِ خیال" اور "آبِ حیات" کی تقلید میں بہت سے صفحے سیاہ کیے، جو اپنی کم سوادی کے باوجود فائدہ سے خالی نہیں رہے"۔ (۱۶)

"اردو مضمون نویسی میں ابتدائی اثر والد مرحوم کی "یاد ایام" کا تھا، جو سنجیدہ زبان کا ایک شگفتہ نمونہ ہے، اور جس میں تاریخ کی متانت کے ساتھ زبان کا بانکپن بھی موجود ہے، اس طرز پر میرا پہلا مضمون جو اب یاد آتا ہے، اندلس پر تھا"۔ (۱۷)

"عربی تعلیم شروع ہو جانے کے بعد میرے استاد شیخ خلیل بن محمد بن شیخ حسین یمنی نے ہمیشہ کے لیے دل پر توحید کا نقش قائم کر دینے کے لیے سورۂ زمر بڑی توجہ اور ذوق وشوق سے پڑھائی .... توحید ان کا ذوقی مضمون تھا، دل کھول کر پڑھایا، اور دل کو توحید کے لیے کھول دیا، وہ دن ہے اور آج کا دن، اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ "ألا لله الدين الخالص" (سورہ زمر) کا نقش قائم ہے، اور اس کے سامنے، "مانعبدهم إلاليقربونا إلى الله زلفى" (زمر) (مشرکین کہتے ہیں کہ ہم اپنے معبدوں کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں) کا حیلہ اور دعوی جو ہمیشہ کے نظام شرک کا سب سے بڑا فلسفہ ہے، تار عنکبوت معلوم ہوتا ہے"۔ (۱۸)

عربی زبان وادب میں استفادہ کی سرگزشت اور شیخ خلیل کا انتخاب کردہ نصاب مولانا ہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

"ادب میں شیخ خلیل کا ایک مجتہدانہ نصاب تھا، جو ہندوستان میں بالکل نیا تھا، ان کو اپنا ذوق تلامذہ میں منتقل کرنے میں خاص کمال تھا، انھوں نے مبادئ صرف اور تحریر و انشاء کی مشق کے ساتھ مصر وبیروت کے سلسلۂ قراءات (ریڈرس) المطالعة العربية، الطريقة المبكرة ٥ أجزاء، مدارج القراءة ١-جزء کے بعد ابن المقفع کی "كليلة ودمنة" "مجموعة من النظم والنثر"، حصۂ نثر کا ایک حصہ حفظاً اور حصۂ نظم، "نهج البلاغة" حصۂ کتب اور نظم میں حماسہ اور معری کی سقط الزند اور دلائل الإعجاز للجرجاني بڑے

ذوق وجوش سے نیز "مختصر تاریخ آداب اللغة العربية" پڑھائی، عربی کے قواعد زبان کی مشق میں سب سے بڑا احسان ابوالحسن علی الضریر کے رسالہ "الضریری" کا ہے، جو چند اوراق کی کتاب ہے، عرب صاحب نے اس کی عملی مشق کرائی اور یہی مشق اِس وقت تک کام آرہی ہے"۔(۱۹)

شیخ خلیل کے درس کی خصوصیات مولانا کے بیان کے مطابق :

"اس تعلیم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ایک وقت میں مختلف علوم و فنون اور زبانوں کی تعلیم نہ تھی صرف عربی زبان وادب کی تعلیم تھی اور وہی اوڑھنا بچھونا، وہی مقصدِ حیات اور وہی ذوقِ طبع۔

عرب صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اپنے محبوب و منتخب مصنفین اور ان کے محبوب و منتخب تصنیفات کو اس طرح طلبہ کے سامنے پیش کرتے تھے گویا وہی زبان و ادب اور طرزِ ادا کا واحد نمونہ اور ادب و ذوق کا منتہا ہیں، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ مصنفین طلبہ کے دماغ اور تخیل پر حاوی ہوجاتے تھے اور طالب علم ان کا رنگ اتارنے لگتے تھے، ابن المقفع اور جاحظ نثر میں، عبدالقاہر جرجانی ذوق، نقدِ ادب اور سخن فہمی میں، متنبی و بحتری شعر میں ان کے منتخب لوگ تھے، اس لئے ان کے طلبہ اپنی بڑی سعادت اور کمال سمجھتے تھے کہ ان میں ان کا رنگ اور انداز پیدا ہوجائے، راقم الحروف نے ابن المقفع اور صاحب نہج البلاغة، نیز کبھی کبھی جرجانی کی تقلید میں لکھنے کی کوشش کی اور اس کا بڑا فائدہ ہوا،"(۲۰)

شیخ خلیل کا ایک تعلیمی نکتہ مولانا کی نگاہ میں :

"عرب صاحب کا ایک تعلیمی نکتہ یہ بھی تھا کہ وہ طلبا کے دماغ پر یہ نقش قائم کردیتے تھے کہ ادب و نثر کا ترکہ صاحبِ ذوق طلبہ کی میراث ہے، جس کے استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں انھیں باک نہیں ہونا چاہیئے، چنانچہ ان کی ہمت افزائی سے کبھی کبھی ان صاحبِ نظر انشاء پردازوں کے بعض بعض جملے اور تعبیریں اپنی تحریر میں نگینہ کی طرح جڑ کر انعام حاصل کیا"۔(۲۱)

اس تعلیم کی انتہا کس کتاب پر ہوئی مولانا فرماتے ہیں :

اس تعلیم کے انتہائی مرحلہ پر مصر کے مشہور صاحب طرز نثار سید مصطفیٰ المنفلوطی کی کتاب "النظرات" عرب صاحب نے دیکھنے کو دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس صدی کا یہ ساحر

ادیب دماغ اور تخیل پر چھا گیا اور دل میں سما گیا، اس کے عنوانوں پر اپنے مضامین لکھے اور تیز رفتار رہوار کے پیچھے دوڑ کر دور تک خاک اڑائی"۔ (۲۲)

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مولانا حیدر حسن خان ٹونکی کے حلقۂ درسِ حدیث میں تلمذ کی سرگزشت راقم کے رسالہ کی دوسری فصل میں تفصیل سے پیش کی جائے گی اس لیے یہاں اسے قلم انداز کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں، اور ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی کے حلقۂ تلمذ میں شمولیت کی حسین داستان کی طرف قاری کی توجہ چاہتا ہوں، اس سے قبل غزالی کی "احیاء العلوم" کے سلسلہ میں مولانا کے شوقِ مطالعہ کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں :

"اس زمانے میں احیاء العلوم دیکھنے کا شوق ہوا اور اس نے دل پر بجلی کا سا اثر کیا، مگر یہ مطالعہ جاری نہیں رہ سکا، اس میں بڑے بھائی صاحب کی بصیرت کو دخل تھا، جن کے نزدیک اس کے مطالعہ کے شغف سے بعض غیر معتدل رجحانات کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا"۔ (۲۳)

مولانا کے عربی زبان و ادب کے استفادہ میں شیخ خلیل عرب اور پھر مولانا کے عربی زبان و ادب کے تخیل میں ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کافی اثر انداز ہیں، مولانا کا بیان ملاحظہ فرمایئے :

"۱۹۳۰ء میں شیخ خلیل عرب کی تجویز اور بھائی صاحب کی دعوت پر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس ادب کے لئے ایک فاضل و محقق صاحبِ زبان مراکشی عالم تشریف لائے، یہ علامہ تقی الدین ہلالی تھے جن کو اگر نہ دیکھا ہوتا تو عربی زبان و ادب کے بہت سے مبادیٔ و بدیہیات، زبان کی تعلیم کے بہت سے حقائق و اصول نظر سے ہمیشہ او جھل رہتے اور عجمیت و ہندیت کے اثر سے کلیۃً آزادی نصیب نہ ہوتی، ان کو اگر نہ دیکھا ہوتا تو قرن ثانی و ثالث کی زبان کو مردہ اور صرف کاغذ کے نقش و نگار سمجھتے، اس ایک شخص میں سلف کی احتیاط اور علمی تورع (عدم تحقیق کی حالت میں بے تکلف لا ادری کہہ دنیا) مغرب اقصیٰ خصوصاً اہل شنقیط کا حفظ اور استحضار، اہل لغت کا اتقان، علمائے نحو کی پختگی اور اہل زبان کی شیریں نوائی اور خوش گفتاری جمع تھی، میں نے اغانی اور جاحظ کی کتابوں کی زبان بولتے ہوئے ان کے سوا کسی کو نہیں سنا، جو لکھتے تھے وہی بولتے تھے، اور جو بولتے تھے وہی عربی زبان کا روزمرہ اور محاورہ ہے"۔ (۲۴)

مولانا کو ہلالی صاحب سے عربی ادب و شعر کی کتابیں پڑھنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی، لیکن اس سے زیادہ مفید ان کی صحبت اور مجالس و سفر کی رفاقت تھی، ان کی صحبت، وافادات سے دو حقیقتیں پہلی بار مولانا پر منکشف ہوئیں، مولانا کے الفاظ میں :

"ایک تو یہ کہ زبان اور ادب میں فرق ہے، زبان وہ ہے جو ادب کی بنیاد ہے، ادب زبان کی بنیاد کے کاخ و ایوان اور زبان کی دیوار کے نقش و نگار ہیں، ادب خیالات کے اظہار کا بلند اور فنی اور ترقی یافتہ ذریعہ ہے جو تمدن و تخیل کی ترقی سے پیدا ہوتا ہے، زبان کی تعلیم و تربیت ادب کی تعلیم پر مقدم ہے، اگر زبان نہیں آتی تو ادب نہیں آسکتا اور اس کی قبل از وقت تعلیم ضیاع وقت ہے، ہندوستان میں زبان کے دھوکہ میں اور عربی زبان کے نام پر اعلیٰ عربی ادب کی تعلیم دی جارہی ہے جو اکثر اوقات بے بنیاد اور بے نتیجہ ثابت ہوتی ہے، ہلالی صاحب کہتے تھے کہ حریری اور متنبی وحماسہ ادب عربی کی اعلیٰ کتابیں ہیں جو بلادِ عربیہ میں زبان کی طویل اور مسلسل تعلیم اور زبان کی مشق کے بعد پڑھائی جاتی ہیں، اور عربی ادب کی تکمیل کرنے والے فضلاء ان کو پڑھتے ہیں، لیکن ہندوستان میں یہی کتابیں ادب کا کل سرمایہ اور جمع خرچ ہیں، ضرورت ہے ان سے پہلے زبان کو ایک زندہ زبان کی طرح پڑھا جائے، ان کا یہ بھی اصرار تھا کہ زبان کو انسانی زبان کی طرح بغیر ترجمہ کی مدد کے پڑھنا چاہیے، اس پر شیخ نے دار العلوم میں مسلسل تقریریں کیں اور اپنے مدعا کو دلائل سے ثابت کیا۔

دوسری حقیقت یہ منکشف ہوئی کہ صرف و نحو قواعد زبان کی تشکیل کے اصول ہیں جن کا درجہ زبان کے بعد ہے، زبان کا ذخیرہ اگر کچھ نہ ہو تو صرف و نحو کے قواعد بیکار ہیں، مفردات، الفاظ و جمل مکان کی اینٹیں ہیں اور نحو کا علم اصول تعلیم کے قواعد اور انجینئری کا فن، اگر سرے سے اینٹیں نہ ہوں تو انجینئرنگ اور اصول تعمیر کا بڑے سے بڑا علم ناکارہ اور فضول ہے"۔ (۲۵)

ان دو حقیقتوں کے علاوہ مولانا کو ہلالی صاحب سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ :

"زبان کا بہترین نمونہ تاریخ کی مستند کتابیں اور عہد عباسی کے ادباء کی غیر مصنوعی تصنیفات ہیں، اس کے لیے انھوں انے ابن قتیبہ کی "الإمامة والسياسة"، ابن المقفع کی "كليله و دمنه"، أبو الفرج الأصبهانی کی "كتاب الأغانی" اور جاحظ کے رسائل کی سفارش کی۔" (۲۶)

بقول مولانا:

"یہ زمانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی کی بہار کا تھا، ادھر ہلالی صاحب کا فیض عام تھا اُدھر ہمارے دوست مولانا مسعود عالم ندوی عربی کا رسالہ "الضیاء" نکال رہے تھے، عربی زبان و تحریر، نقد و تبصرہ گویا اُوڑھنا بچھونا ہو رہا تھا، مصری، شامی، اور مغربی (الجزائری، مراکشی) رسائل و جرائد تبادلہ میں آتے تھے، پڑھے جاتے تھے اور ان پر گفتگو رہتی تھی، یہ میرے عربی اخبار بینی کی عمر کا بچپن تھا، عربی ادب کی کتابیں پڑھ لینے اور عرب اساتذہ کی صحبت میں رہنے کے باوجود اخبارات کا بڑا حصہ سمجھ میں نہ آتا، اس لیے نہیں کہ ہندوستانی علماء کے بقول (جو سراسر غلط فہمی ہے) یہ کسی جدید عربی میں ہوتے تھے، بلکہ طرزِ ادا، اور اشتقاق کی ناواقفیت کی وجہ سے وہ سمجھ میں نہیں آتے تھے، بھائی صاحب کی مدد سے میں نے اخبار پڑھنا شروع کیا، اور اس سے جتنا فائدہ اور تعبیر اور اظہار خیال میں جتنی قدرت حاصل ہوئی، ادب و زبان کی کسی کتاب یا کتابوں سے نہیں ہوئی"۔(۲۷)

مصری و شامی ادباء و فضلاء کے مضامین پڑھ کر ان کی فصاحت، زبان کی قدرت کا سکہ مولانا کے دل پر یقیناً بیٹھا لیکن معنوی و ذہنی حقیقت سے ذوق و دماغ پر ان مضامین کا کوئی اچھا اثر مولانا پر نہیں پڑا۔

عربوں کے قوم پرست اور وطنی افکار، مغرب سے ذہنی مرعوبیت اور خیالات کی سطحیت کے خلاف مولانا نے ہمیشہ احتجاج کیا، اس حیثیت سے مولانا کی نگاہ میں شکیب ارسلان کی تحریروں اور خیالات میں نسبتاً کچھ گہرائی اور پختگی اور اسلامیت معلوم ہوئی لیکن امت اسلامیہ کے امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز میں مولانا کو جس شخص کے خیالات و افکار میں زیادہ بلند نظری اور باریک بینی معلوم ہوئی، اور جس کی فراست نے متاثر کیا وہ سید عبدالرحمان الکواکبی کی تخیلی کتاب "ام القری" ہے۔(۲۸)

"تیرہویں صدی کا مجدد اعظم" کے عنوان سے حضرت سید احمد شہیدؒ کے متعلق محی الدین قصوری کا ایک سلسلۂ مضمون ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں رسالہ "توحید" امرتسر میں شائع ہوا، مولانا نے اپنے بھائی صاحب کے حکم سے ۱۹۲۹ء۔ ۱۹۳۰ء میں اس کا عربی میں آزاد ترجمہ کیا جو ہلالی صاحب کی اصلاح کے بعد علامہ سید رشید رضا نے "المنار" میں بھی شائع کیا اور "ترجمة السيد الإمام أحمد بن عرفان" کے نام سے علاحدہ رسالہ کی شکل میں بھی چھاپ

دیا، اس موضوع سے مولانا کا پہلا تعلق تھا۔(۲۹)

ابن قیم کی "زاد المعاد" اور مروزی کی "قیام اللیل" سے مولانا کی شیفتگی کا ذکر اس رسالہ کی دوسری فصل میں ہوگا، ابن تیمیہ کی "تفسیر سورۃ النور" نے بھی اس پر آشوب زمانہ میں مولانا کی دستگیری کی، یہ اور ابنِ قیم کی" الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی" مولانا کے نزدیک نوجوانی میں بہترین نگراں اور اتالیق اور اخلاقی محتسب و ناصح ہیں، پھر زمانۂ تعلیم کے بے شعور دور میں جس کتاب نے مولانا کو تعلیم سے اور معلمین سے نفع اٹھانے اور ان کے احترام، طالب علمی کے آداب کا لحاظ کرنے کا خیال پیدا کیا وہ صاحبِ "ہدایہ" کے ایک شاگرد کی چھوٹی سی کتاب "تعلیم المتعلم" ہے۔(۳۰)

اسی طرح تحصیل علم میں علوئے ہمت، عزیمت اور ذوق علم پیدا کرنے میں مولانا شیروانی کی "علمائے سلف" نے مہمیز کا کام کیا، مولانا کے نزدیک ہر سچے طالب علم کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس کو حرز جان بناکر رکھنا چاہیے۔(۳۱)

مولانا کے والد کی "ارمغانِ احباب" (دہلی اور اس کے اطراف) جو دراصل ان کے ۱۳۱۲ھ کے طالب علمانہ سفروں کا روزنامچہ ہے، اس نے مولانا کے دل پر بڑا اثر کیا، اور ان کو مردان خدا کی محبت اور دین کی چاشنی محسوس ہوئی، حضرت سید احمد شہیدؒ سے مولانا کو اصل قلبی تعلق اسی رسالہ سے پیدا ہوا۔

دوسری چیز جس نے مولانا کے اندر اہل اللہ کی محبت و عقیدت پیدا کی وہ مولانا محمد علی مونگیری کا رسالہ "ارشاد رحمانی" ہے۔(۳۲)

مشائخ و بزرگانِ دین کے ملفوظات کے مجموعوں میں نظام الدین اولیاء، کے ملفوظات "فوائد الفواد" اور شاہ غلام علی کے ملفوظات " در المعارف" کا مولانا کے قلب پر بڑا اثر پڑا، اگرچہ مولانا کے ذہن نے حدیث کے اثر اور ایک خاص ذہنی تربیت و مطالعہ کی وجہ سے بعض باتوں کے قبول کرنے سے ادب کے ساتھ معافی چاہی، لیکن مولانا کے قلب نے واقعات اور بے ساختہ گفتگو اور خلوص کی گرمی و نرمی محسوس کی۔ (۳۳)

فلسفۂ تصوف اور فلسفۂ اخلاق کے نکات و مباحث نے جو متاخرین صوفیہ کی کتابوں میں بہ کثرت ملتے ہیں مولانا کو کبھی متاثر نہیں کیا، البتہ درد و محبت اور سوز و گداز کی

باتیں بے اثر نہیں رہتی تھیں، درد و محبت میں ڈوبے ہوئے اشعار اور فقرے مولانا کے دل پر نقش اور ان کے حافظہ میں محفوظ ہو جاتے تھے۔ (۳۴)

نصاب و نظام تعلیم کے متعلق اصلاحی و تجدیدی خیالات کا تخم مولانا کے دماغ پر شیخ خلیل عرب و شیخ تقی الدین ہلالی کی مجالس درس میں پڑا۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے ماحول اور لٹریچر نے اس کا نشو نما کیا، ندوۃ العلماء کا تخیل اور دین و دنیا کی بہم آمیزی اور علماء اور اہل دین کی قیادت و اقتدار کی ضرورت و اہمیت کا احساس مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کے اس خطبۂ صدارت سے وضاحت و قوت کے ساتھ مولانا کو ہوا، جو ندوۃ العلماء کے اجلاس ۲۴ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں پڑھا گیا، پھر مزید مطالعہ سے مولانا کا یقین اور اطمینان بڑھتا گیا، اور یہ دونوں چیزیں ان کے علمی عقائد و نظریات کا جزو بن گئیں۔ (۳۵)

مغربی تہذیب و نظام سے مولانا کو نفرت اصل میں ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبد العلی کی صحبتوں اور مجلسوں میں پیدا ہوئی، اس نفرت کو جو زیادہ تر قلبی تھا مولانا دریابادی کے "سچ" اور "صدق" کے پرچوں نے مستحکم اور دماغی بنادیا۔

مولانا کو مغربی تہذیب کی تاریخ سمجھنے اور لادینیت و مادیت کے ارتقاء کی اس منزل کی توجیہ میں ڈریپر کی کتاب "معرکۂ مذہب و سائنس" اور لیکی کی "تاریخ اخلاق یورپ" نے بڑی مدد دی، اور اس سے ان کو بڑا مواد ملا، جس سے اپنے مضامین و استدلال میں بہت کام لیا۔

مولانا مودودی کے مضامین "ترجمان القرآن" اور ان کی "تنقیحات" نے مولانا کو اور زیادہ وضاحت و تقویت پہنچائی، ان مضامین نے مولانا کے طرزِ فکر، استدلال اور طرزِ تحریر پر بھی اثر ڈالا، نیز مولانا مودودی کی تحریروں نے مولانا علی میاں کے ذوق و فکر کو متاثر کیا۔ (۳۶)

مغربی تہذیب کے مزاج اور اس کے حقیقی نقائص، اسلامی تہذیب سے اس کے بنیادی و اصولی تضاد اور دونوں کے اتحاد کے عدم امکان کے متعلق سب سے زیادہ واضح اور پر مغز چیز مولانا کو محمد اسد کی کتاب "ISLAM AT THE CROSS ROADS" کے مطالعہ سے معلوم ہوئی۔ (۳۷)

مولانا کے خیال میں احمد امین کی "فجر الإسلام" اور "ضحی الإسلام" کے مطالعہ سے ذخیرۂ حدیث پر اعتماد کسی حد تک متزلزل ہو جاتا ہے، اور اس کی بعض بنیادی شخصیتوں کے بارے میں وہ عظمت و عقیدت قائم نہیں رہتی جو ایک مسلمان کے دل میں قائم رہنا چاہئیے، مولانا کو احمد امین کی اس کمزوری کا احساس ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی " السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي " کے مطالعہ سے ہوا۔

احمد امین کی کتابوں کے مطالعہ سے سب سے زیادہ فائدہ جو مولانا کو حاصل ہوا وہ اس کی شگفتہ اور شیریں علمی تحریر کا ہے، جس میں احمد امین مولانا کے نزدیک اپنے معاصرین میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔(۳۸)

"تذکرۂ مولانا آزاد" سے مولانا علی میاں کے دل و دماغ پر امام احمد بن حنبل اور محدثین کی عمومی عظمت قائم ہوئی، " تذکرہ" اور "الهلال " کے ادبی "سحر حلال" نے مولانا کو مسحور کیا، "ترجمان القرآن" کی دوسری جلد سے تفسیر و فہم قرآن کے بعض نئے گوشے مولانا کے سامنے آئے، اور ان کی فکر میں وسعت پیدا ہوئی۔(۳۹)

علامہ سید سلیمان ندوی کی تصانیف میں "خطبات مدراس" نے مولانا کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور حدیث و سیرت کے نئے نئے پہلو مولانا کے سامنے آئے، اور اس عہدِ انقلاب میں اہلِ علم اور تعلیم یافتہ غیر مسلموں کے سامنے حدیث و سیرت پیش کرنے کی راہ معلوم ہوئی۔(۴۰)

مولانا گیلانی کی کتابوں میں مولانا علی میاں کا ہمیشہ جی لگا، خاص طور پر ان کی "النبی الخاتم" مولانا کی نگاہ میں سیرت کی بڑی البیلی کتاب ہے، اور ان کی دوسری کتاب " ہمارا قدیم نظام تعلیم و تربیت" بڑی پر از معلومات ہے، "تدوین حدیث" کو بڑی مبصرانہ اور نکتہ ورانہ تصنیف شمار کرتے ہیں، اور ان کا مضمون "مجدد الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" مولانا کے لئے بڑی بصیرت و معلومات کا ذریعہ بنا، اور "الفرقان" میں ان کے شائع شدہ مقالے سے تاریخ ہند کے نئے گوشے مولانا کے سامنے آئے۔(۴۱)

"حیات جاوید"، "وقار حیات" اور " تهذيب الأخلاق " کے پرانے فائل سے ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ مزاج اور ان کے موجودہ تعلیمی و سیاسی رجحانات کے سمجھنے میں مولانا کو بڑی مدد ملی، اور اس کی تکمیل "حیات شبلی" سے ہوئی۔(۴۲)

سید طفیل احمد کی "حکومت خود اختیاری" اور "مسلمانوں کا روشن مستقبل" سے مولانا کو ہندوستان کی برطانوی سیاست اور مسلمانوں کے سیاسی تنزل اور ذہنی تغیر کی توجیہ ہوئی۔(۴۳)

گو مولانا اپنی کم سنی کی وجہ سے اپنے والد سے کوئی استفادہ نہیں کر سکے، لیکن علمی طور پر مولانا نے کسی کتاب سے مواد اور علمی ذخیرہ سے اتنا استفادہ نہیں کیا اور مضامین اور تحریروں میں اتنا کام نہیں لیا جتنا "نزهة الخواطر" کی ان آٹھ جلدوں کے تاریخی معلومات سے۔(۴۴)

گو زندگی کے طویل تر دور میں مولانا کے دماغ پر علامہ اقبالؔ کا بڑا غلبہ رہا، لیکن ابتائی استغراق اور انہماک کے دور میں مولانا کو تنبہ ہوا کہ کسی انسان کے کلام سے اس قدر انہماک اور شیفتگی اچھی نہیں، یوں مولانا، اقبالؔ کے اشعار سے خون میں تموج اور جذبات میں حرکت پیدا کرنے کے قائل ہیں۔(۴۵)

پروفیسر عبدالباری ندوی کے رسالہ "مذہب اور عقلیات" سے مولانا کو عقل و نقل کے حدود اور تجربہ و علم انسانی کی نارسی اور کوتاہی، ناپائیداری اور انبیاء کے علم کی قطعیت کا ایک ابتدائی تخیل حاصل ہوا جو مطالعہ میں بہت کام آیا، اور ابن تیمیہ کی "سورہ اخلاص" اور "کتاب النبوات" کے اشارات سے مولانا کو مزید مدد ملی، لیکن اس نقش کو پختہ حضرت مجدد الف ثانی کے "مکتوبات" نے کیا۔(۴۶)

حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت مخدوم بہاری کے مکتوبات کے مطالعہ سے علم کلام کا ایک نیا عالم مولانا کی آنکھوں کے سامنے آگیا، مکتوبات مجددی کے آخر میں سنت و بدعت کے بارے میں مجددانہ کلمات و تحقیقات سے مولانا کو بڑا شرح صدر اور یقین میں اضافہ ہوا، نیز دورِ اکبری و جہانگیری میں دین کی نصرت و حمایت کے سلسلہ کے مکتوبات نے مولانا کی دینی حمیت و غیرت کو بیدار کیا، اور دین کی حرارت پیدا کی، مولانا نے انسانی تصانیف اور تحریروں میں کم چیزوں میں ایسی زندگی اور قلب کی حرارت دیکھی جتنی ان دونوں حضرات کے مکتوبات میں پائی۔(۴۷)

"الفرقان" شاہ ولی اللہ نمبر کے لئے مولانا نے "شاہ ولی اللہ بحیثیت مصنف" کا عنوان اپنے لئے منتخب کیا، اور اس سلسلہ میں مولانا نے "ازالۃ الخفاء" کا بالاستیعاب مطالعہ

کیا۔ انسانی تصنیفات میں مولانا کم کتابوں سے اتنا متاثر ہوئے جتنا اس کتاب اور مکتوبات" سے۔

"حجۃ اللہ البالغہ" کے مطالعہ سے مولانا کے دماغ پر اس کی عقلیت، محکم استدلال اور شاہ صاحب کی باریک بینی کا اثر قائم ہوا، اور علمی واصولی مباحث اور متکلمانہ و فلسفہ آمیز کتابوں کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی۔

"الفوز الکبیر فی أصول التفسیر" کے بعض علمی اشاروں اور مختصر نکتوں نے قرآن مجید کے مطالعہ و تفسیر میں مولانا کی بڑی رہنمائی کی، اور مطالعہ قرآن میں مولانا کے ذہن کی بہت سی گرہیں کھول دیں (۴۸)

شاہ صاحب سے مولانا کی وارفتگی خود انھیں کے قلم سے پیش خدمت ہے:

"یہ کہا جاسکتا ہے کہ پچھلی صدیوں کی کسی شخصیت سے ذہن اتنا متاثر اور اس کی تحقیقات سے اتنا متفق نہیں جتنا شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کی کتابوں سے، اگر اپنے فکر و مسلک کے لئے کسی مکتبۂ خیال کا تعین ضروری ہے تو میں انھیں کا نام لے سکتا ہوں، اور در حقیقت ہمارا تعلیمی و فکری نسب و شجرہ انھیں پر ختم ہوتا ہے"۔ (۴۹)

حضرت سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات کے مجموعہ "صراط مستقیم" (مرتبہ مولانا اسماعیل شہید و مولانا عبدالحی) کے مطالعہ کا فیض مولانا کو یہ ہوا کہ:

"علوم نبوت سے وحشت اور اجنبیت جو وضعی اور صناعی علوم اور تصنیفات سے پیدا ہو جاتی ہے، دور ہوئی، اس کی بری بھلی تمیز پیدا ہوئی کہ علمی اصطلاحات اور زمانہ کی زبان کے بغیر بھی علوم و حقائق ادا کئے جاسکتے ہیں، اور کتابوں کے راستہ کے علاوہ کچھ اور بھی راستے ہیں جن سے وہ علوم آتے ہیں جو کتابوں کے صفحات میں مقید نہیں کئے جاسکتے، ایسا بھی ممکن ہے کہ مغز ہو اور چھلکے نہ ہوں، معانی ہوں اور زیادہ الفاظ نہ ہوں، متن ہو اور حواشی نہ ہوں"۔ (۵۰)

"سیرت سید احمد شہید" کی تصنیف اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات پڑھنے سے مولانا کو مولانا محمد الیاس کاندھلوی (م ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۳ء) کی باتیں اور ان کے معارف سمجھنے میں سہولت ہوئی۔ (۵۱)

مولانا نے درسی و متداول اور بعض غیر متداول ضخیم تفسیریں بعض لفظ بہ لفظ

دیکھیں لیکن ان کو اصل فائدہ متن قرآن کے سادہ اور بار بار کے پڑھنے سے ہوا، نیز قرآن مجید سے بہرہ ور ہونے کے لئے مولانا کی نگاہ میں دو چیزیں سب سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہیں :

"ایک علوم نبوت و مزاج نبوت سے مناسبت رکھنے والے اشخاص کی صحبت جن کی معاشرت وزندگی " كان خلقه القرآن" کا پرتو ہو۔

دوسری چیز یہ ہے کہ انبیاء علیم السلام جن راستوں پر چلے ہیں ان پر چلنے سے قرآن مجید کھلتا ہے"۔

مولانا کے نزدیک :

"ہر وہ چیز جو علوم نبوت کے سر چشمہ سے نہ آئی ہو، مشتبہ اور الفاظ کا طلسم معلوم ہوتا ہے، تسکین صرف وحی و نبوت کے راستہ سے آئے ہوئے علم سے ہوتی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے دنیا تک پہنچایا اور جو وحی کی زبان میں قرآن مجید اور عربی زبان میں حدیث میں محفوظ ہے"۔(۵۳)

حواشی وحوالہ جات:

(۱) مقدمہ زاد سفر ۱ : ۵ لکھنؤ ۱۹۸۳ء
(۲) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ، مرتب محمد عمران خان ندوی ، ص:۱۵۶
(۳) ایضاً ص ۱۵۶
(۴) ایضاً ص ۱۵۷
(۵) ایضاً ص ۱۵۸،۱۵۷
(۶) ایضاً ص ۱۵۹،۱۵۸
(۷) ایضاً ص ۱۶۰،۱۵۹
(۸) ایضاً ص ۱۶۱،۱۶۰
(۹) ایضاً ص ۱۶۱
(۱۰) پرانے چراغ:ابوالحسن علی ندوی ،مکتبہ اسلام لکھنؤ ۱ : ۱۰۱
(۱۱) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص : ۱۶۳
(۱۲) پرانے چراغ ۱ : ۲۳۶
(۱۳) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۱۶۲
(۱۴) ایضاً ص ۱۶۲

(۱۵) ایضاً ص ۱۶۲
(۱۶) ایضاً ص ۱۶۳
(۱۷) ایضاً ص ۱۶۳
(۱۸) ایضاً ص ۱۶۳، ۱۶۴
(۱۹) ایضاً ص ۱۶۴، ۱۶۵
(۲۰) ایضاً ص ۱۶۵
(۲۱) ایضاً ص ۱۶۶
(۲۲) ایضاً ص ۱۶۶
(۲۳) ایضاً ص ۱۶۸
(۲۴) ایضاً ص ۱۶۸، ۱۶۹
(۲۵) ایضاً ص ۱۶۹، ۱۷۰.
(۲۶) ایضاً ص ۱۷۰
(۲۷) ایضاً ص ۱۷۱
(۲۸) ایضاً ص ۱۷۲
(۲۹) ایضاً ص ۱۷۳
(۳۰) ایضاً ص ۱۷۳، ۱۷۴
(۳۱) ایضاً ص ۱۷۴
(۳۲) ایضاً ص ۱۷۴
(۳۳) ایضاً ص ۱۷۵
(۳۴) ایضاً ص ۱۷۵
(۳۵) ایضاً ص ۱۷۶
(۳۶) ایضاً ص ۱۷۷
(۳۷) ایضاً ص ۱۷۸
(۳۸) ایضاً ص ۱۷۸
(۳۹) ایضاً ص ۱۷۸
(۴۰) ایضاً ص ۱۷۹
(۴۱) ایضاً ص ۱۷۹
(۴۲) ایضاً ص ۱۷۹
(۴۳) ایضاً ص ۱۷۹
(۴۴) ایضاً ص ۱۸۰،۱۸۱
(۴۵) ایضاً ص ۱۸۱،۱۸۲
(۴۶) ایضاً ص ۱۸۱
(۴۷) ایضاً ص ۱۸۲،۱۸۳
(۴۸) ایضاً ص ۱۸۴،۱۸۵
(۴۹) ایضاً ص ۱۸۴
(۵۰) ایضاً ص ۱۸۶
(۵۱) ایضاً ص ۱۸۶
(۵۲) ایضاً ص ۱۸۷
(۵۳) ایضاً ص ۱۸۸

فصلِ دوم

مولانا علی میاںؒ

اور

علمِ حدیث

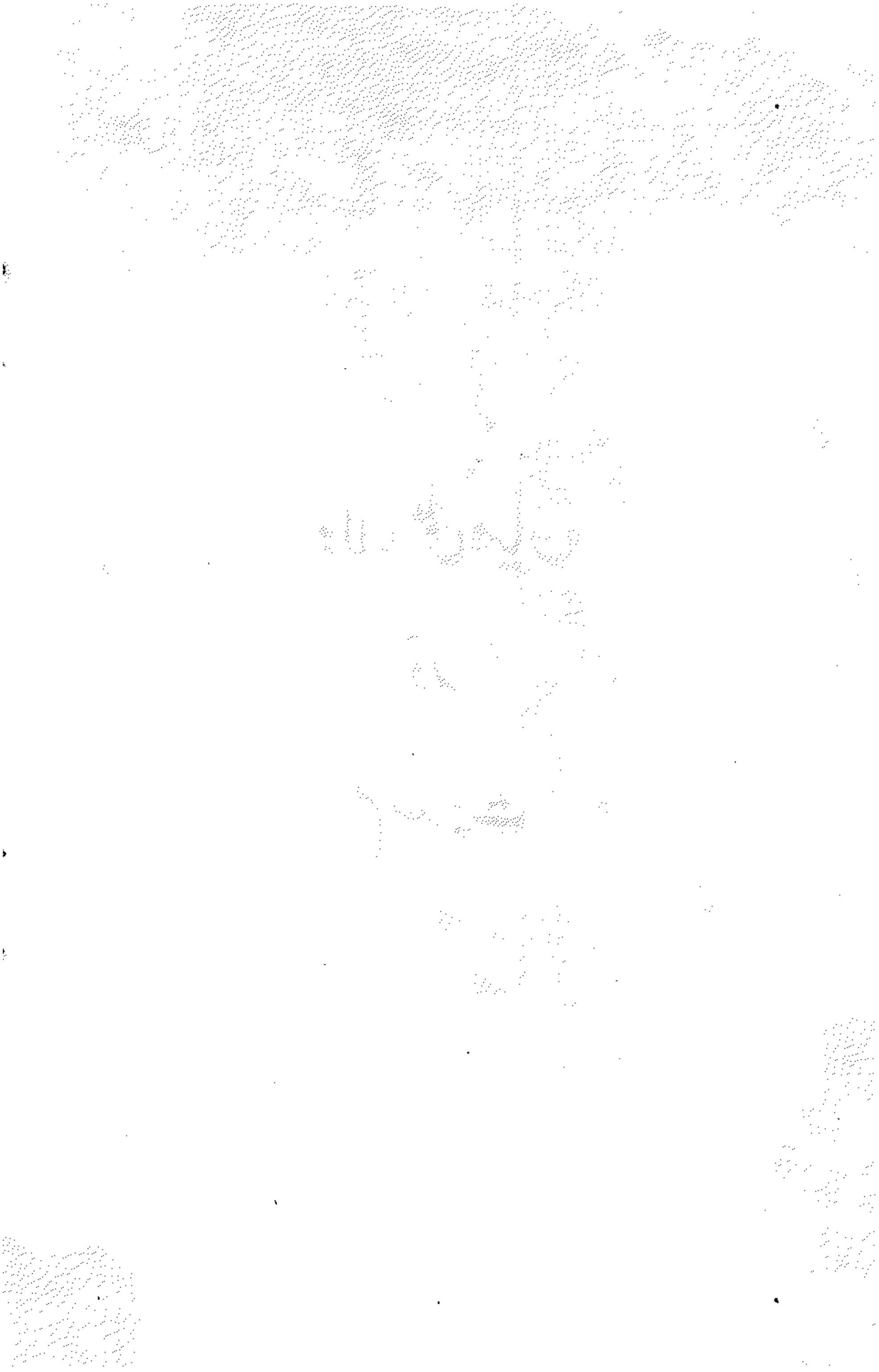

مولانا علی میاں کے خانوادہ کی علمی خصوصیات میں حدیث شریف سے شغف اور مدرسہ ولی اللہی سے وابستگی ہے، صاحب "نزهة الخواطر" کے بیان کے مطابق سید ابو سعید بن محمد ضیاء بن آیۃ اللہ بن علم اللہ الحسنی (م ۱۱۹۳ھ) نے شاہ ولی اللہ سے اکتساب فیض کیا، شاہ صاحب کی وفات کے بعد محمد عاشق بن عبد اللہ البھلتی (م ۱۱۸۷ھ) کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے، مدینہ طیبہ میں ابوالحسن السندی (م ۱۱۸۷ھ) سے امام بغوی کی "المصابیح" کا درس لیا۔(۱)

تیرھویں صدی ہجری کے نابغۂ روزگار میں سید قطب الھدیٰ بن محمد واضح (م ۱۲۲۶ھ) نے شاہ عبد العزیز سے فقہ و حدیث کا علم حاصل کیا، اور ان کے ذخیرۂ کتب سے اہم کتابیں نقل کیں، صحیح بخاری اور جامع ترمذی پر ان کے حواشی ہیں۔(۲)

اس عصر کے فضلاء میں اسحاق بن محمد عرفان (م ۱۲۳۴ھ) شاہ عبد القادر کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے، اور شاہ عبد العزیز سے سند حدیث لی۔(۳)

اس عہد کے علماء میں ایک اور فاضل مولانا علی میاں کے پرداداسید عبد العلی بن علی محمد النصیر آبادی (م ۱۲۶۹ھ) نے محمد علی رامپوری المحدث (م ۱۲۵۸ھ) سے حدیث پڑھی۔ (۴)

چودھویں صدی کے مشاہیر میں مولانا علی میاں کے دادا "مہر جہانتاب" کے مؤلف علامہ سید فخر الدین بن عبد العلی (م ۱۳۲۶ھ) مولانا محمد نعیم بن عبد الحکیم الانصاری (م ۱۳۱۸ھ) کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے، اور "مشکاۃ المصابیح"، تفسیر جلالین ان سے پڑھی، سید خواجہ احمد بن محمد یٰسین النصیر آبادی (م ۱۲۸۹ھ) نے اپنی تمام مرویات و مقروئات کی سند دی، شاہ یعقوب بن محمد افضل دہلوی (م ۱۲۸۲ھ) نواسہ شاہ عبد العزیز اور مولانا سخاوت علی جونپوری (م ۱۲۷۴ھ) نے انہیں اجازت حدیث عطا فرمائی۔(۵)

مولانا علی میاں کے والد علامہ سید عبد الحی بن فخر الدین حسنی (م ۱۳۴۱ھ) نے حدیث کی بیشتر کتابیں شیخ حسین بن محسن الانصاری الیمانی (م ۱۳۲۷ھ) سے پڑھیں، علاوہ

ازیں مولانا عبدالحی کو مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (م۱۳۱۳ھ) قاضی محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری (م۱۳۲۰ھ) میاں سید نذیر حسین (م۱۳۲۰ھ) مولانا رشید احمد گنگوھی (م۱۳۲۳ھ) قاری عبدالرحمٰن پانی پتی (م۱۳۱۴ھ) مولانا محمد نعیم بن عبدالحکیم الأنصاری (م۱۳۱۸ھ) سے اجازت حاصل ہے۔(۶)

سید قطب الھدیٰ کے "ترمذی" کے قلمی نسخہ پر مولانا عبدالحی کے قیمتی حواشی ہیں، نیز "تلخیص الأخبار" المعروف بہ "تهذيب الأخلاق" مولانا کا انتخاب کردہ احادیث کا مجموعہ ہے، ابواب عبادات میں خاص طور پر مولانا نے حسنِ انتخاب، سلامتی فکر، اور وسعتِ قلبی کا ثبوت دیا ہے، اندازِ انتخاب خالص محدثانہ و مجتہدانہ اختیار کیا ہے، جس میں شیخ حسین یمانی کے درس کا عکس جلوہ گر ہے،" منتهى الأفكار" کے نام سے دو کاپی میں اس کی شرح بھی فرمائی ہے۔

مولانا علی میاں کے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی (م۱۳۸۰ھ) نے مولانا انور شاہ کشمیری (م۱۳۵۲ھ) اور مولانا محمود حسن دیوبندی (م۱۳۳۹ھ) سے کتب صحاح و سنن پڑھی، اور شیخ حسین یمانی سے لکھنؤ میں "كتاب الأوليات" للشیخ سعید سنبل پڑھی، اور ان سے سند حدیث بھی لی۔(۷)

چودھویں صدی ہجری کے نامور اور باکمال شخصیتوں میں مولانا علی میاں کے پھوپھا، صرف و نحو اور عربی میں ان کے استاد مولانا سید طلحہ بن محمد ٹونکی (م۱۳۹۰ھ) کا شمار حدیث، رجال اور عربیت کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے، حدیث مولانا سیف الرحمان مہاجر کابلی (م۱۳۶۸ھ) سے مدرسہ ناصریہ ٹونک میں پڑھی۔

صحیح بخاری سے ان کی محبت اور شیفتگی عشق کے درجہ کو پہنچ گئی تھی، وہ نظری طور پر تقلید کے پابند نہ تھے، لیکن تمام معاملات و عبادات میں فقہ حنفی پر عامل تھے، عہد صحابہ کے تمدن و معاشرت اور علمی زندگی پر ان کے نامکمل مسودہ کا ذکر مولانا علی میاں کے "پرانے چراغ" میں ملتا ہے۔(۸)

مولانا علی میاں کی بہن امۃ اللہ تسنیم (م۱۳۹۶ھ) نے امام نووی کی شہرہ آفاق کتاب "رياض الصالحين" کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا، جو "زادِ سفر" کے نام سے مشہور و متداول ہے، اور علامہ سید سلیمان ندوی کے مقدمہ اور مولانا محمد منظور نعمانی کے تعارف

سے آراستہ ہے۔☆

اس خانوادہ کے گوہر نایاب مولانا سید ابوالخیر برق حسنی (م ۱۳۹۰ھ)۔۔ مولانا علی میاں کے ماموں زاد بھائی۔۔ کو حفظ حدیث سے بڑا شغف تھا، صحیح مسلم اور موطا کی ہزاروں حدیثیں مع سند انھیں یاد تھیں، شرح و تطبیق احادیث سے بھی ذوق رکھتے تھے، "مشکلات الحدیث" کے نام سے انھوں نے ایک کتاب لکھی تھی، وہ حدیث میں مولانا عبدالرحمان بن محمد یعقوب بستوی کے شاگرد ہیں، اور ان کے اثر سے مسلک اہل حدیث اختیار کر لیا تھا۔(۹)

اس سلسلۃ الذھب کی آخری کڑی سادات حسنی اور خانوادۂ شاہ علم اللہ کے وارث و امین مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (۱۳۳۳۔۱۴۲۰ھ) کی ذات گرامی ہے۔

مولانا کی تعلیمی سرگزشت خود ان ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

☆" "زادِ سفر" کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۵ء کے وسط میں نکلا" (پرانے چراغ ۲: ۳۵۴)، اور گو مولانا علی میاں کے بیان کے مطابق:

"اس وقت تک اس کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوا تھا" (ایضا ۲: ۳۵۵)، لیکن ہمارے پیش نظر مولانا احمد الدین بن شرف الدین کا ترجمہ ہے، جو اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے باہتمام شیخ الٰہی بخش اور محمد جلال دوبار شائع ہوا، اور اس پر سنِ طباعت درج نہیں ہے، اور اس ترجمہ کا نام "ریاحین العابدین" ہے، اور مترجم کے قلم سے حدیث کے فوائد بھی درج ہیں، اور مولانا عبدالاوّل غزنوی (م ۱۳۱۳ھ) کا مختصر لیکن مفید حاشیہ بھی ہے۔

ایک تیسرا ایڈیشن جو باہتمام ابو ادریس عبدالغفور غزنوی مطبع فاروقی سے شائع ہوا، اور افسوس کہ اس پر بھی تاریخ طباعت موجود نہیں، اور اس نسخہ پر کہیں کہیں نہایت مختصر حواشی بقلم ابو ادریس عبدالغفور غزنوی موجود ہیں، اور شاید اسی لئے "جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات" مطبوعہ بنارس ۱۹۹۲ء کے مرتب مولانا محمد مستقیم سلفی کو اشتباہ ہوا، اور انھوں نے اپنی کتاب کے (ص ۴۷) پر "ریاض الصالحین" کے مترجم و محشی نسخہ کی نسبت عبدالغفور غزنوی کی طرف کر دی ہے، الحمد للہ یہ تینوں ایڈیشن کتب خانہ شبلی نعمانی ندوۃ العلماء، میں موجود ہیں۔

اہلِ حدیث امر تسر ۲۶ / اپریل ۱۹۲۹ء (بحوالہ جماعت اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات ص ۴۷) کی اطلاع کے بموجب اتنی بات تو یقینا متعین ہو گئی کہ مذکورہ بالا ترجمہ خواہ مولانا احمد الدین کا قرار دیا جائے یا مولانا عبدالغفور غزنوی کا، بہر حال امۃ اللہ تسنیم کے ترجمہ سے پہلے کا ہے۔

"میں نے ایک ایک فن کی تعلیم علیحدہ علیحدہ تحصیل کی، اور مخلوط نصاب پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا، ہمارے صاحب نظر اور صاحب ذوق استاد خلیل عرب صاحب نے سب سے پہلے عربی ادب کی تکمیل کرائی، چنانچہ عربی زبان کی ابتدائی ریڈر المطالعة العربيه سے نهج البلاغة، حماسه، اور دلائل الإعجاز تک تین سال کامل عربی ادب اور اس کے متعلقات ہی پڑھتا رہا۔

ادب کے نصاب کی تکمیل کے بعد جو شیخ خلیل عرب کا طبع زاد اور خود ایجاد تھا، مجھے خوش قسمتی سے علامہ تقی الدین ہلالی مراکشی کی صحبت میسر آئی جو عربیت اور نحو و صرف میں عصر حاضر کے یگانہ اشخاص میں سے تھے، ان کو امام فن کہنا بجا ہوگا، ادب کے بعد میں نے کچھ فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور دو سال دار العلوم ندوۃ العلماء میں مولانا حیدر حسن خاں صاحب کے درس میں حدیث کی تکمیل کی، اس زمانہ میں کچھ تفسیر بیضاوی کا حصہ مولانا سے پڑھا، کچھ عرصہ کے لئے میں نے لاہور جاکر مولانا احمد علی صاحب کے تفسیر کے درس میں شرکت کی، اس درس پر قرآن مجید سے سیاسی نکات کے استنباط کا ذوق غالب تھا، اس طرز سے مجھ کو زیادہ مناسبت نہیں ہوئی"۔ (۱۰)

مولانا اپنے مطالعۂ حدیث کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"میں جب اپنے استاد شیخ خلیل عرب سے ادب کی کتابیں پڑھتا تھا اس وقت انہوں نے ادب کے نصاب کے علاوہ دو اور سبق شروع کرا رکھے تھے، ایک قرآن مجید کی چند سورتیں جن میں سورہ زمر خاص اہمیت رکھتی تھی، دوسرے مسلم کی کتاب الجہاد، یہ میرا حدیث سے پہلا تعارف ہے۔"(۱۱)

مولانا کی کتب حدیث سے واقفیت اور ان کے مطالعہ کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے، لکھتے ہیں:

"اپنے گاؤں میں اصلاح و وعظ کے سلسلہ میں حافظ منذری کی "کتاب الترغیب والترھیب" کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس کو بار بار پڑھ کر سنایا، اسی زمانہ میں محمد بن نصر المروزی کی کتاب "قیام اللیل" دیکھنے کا اتفاق ہوا"۔ (۱۲)

"اسی زمانہ میں اپنے ضلع کے مشہور مردم خیز قصبہ سلون جانا ہوا جہاں شاہ حلیم عطا صاحب کا کتب خانہ دیکھنے کا موقع ملا، اس کتب خانہ سے بعض علماء و محدثین کی تصنیفات کا

شوق پیدا ہوا، جس میں علامہ ابن جوزی اور حافظ ابن رجب حنبلی خاص طور پر قابل ذکر ہیں"۔(۱۳)

مولانا کی حدیث کی تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شروع ہوا، فرماتے ہیں:

"میری مکرر خوش قسمتی تھی کہ حدیث میں مولانا حیدر حسن خاں صاحب جیسا متبحر استاد نصیب ہوا، جو مولانا غلام احمد صاحب لاہوری، مولانا لطف اللہ صاحب کوئلی، مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور شیخ الاسلام شیخ حسین یمنی کے شاگرد اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے مجاز تھے"۔(۱۴)

"اور حدیث براہ راست میاں نذیر حسین سے پڑھی تھی"۔(۱۵)

مولانا علی میاں نے ایک ایک فن کی تعلیم علیحدہ علیحدہ حاصل کی، فرماتے ہیں:

"یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ حدیث کی تعلیم شروع ہوئی تو کوئی دوسرا فن اور موضوع مزاحم نہ تھا صرف حدیث کے اسباق تھے" (۱۶) "میرا قیام اکثر مولانا کے ساتھ رہتا اور میں ان کے کتب خانہ کا مہتمم اور ان کے مسودات کا ناقل اور مرتب بھی تھا، اور ان کے حکم سے رجال کی کتابوں سے مواد بھی فراہم کرتا، اس سے مجھے بڑا علمی فائدہ پہونچا، اور مجھے علمی ترقی کا میدان ہاتھ آگیا" (۱۷) "میں نے مولانا سے دارالعلوم میں صحیحین (بخاری و مسلم) اور ابوداؤد، ترمذی حرفاً حرفاً پڑھی، میری حدیث کی تعلیم سرتاپا ان کی شفقت اور مہارت فن کی رہین منت ہے"۔(۱۸)

مولانا حیدر حسن خاں کے طرز تدریس پر مولانا علی میاں روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"تدریسِ حدیث کا طرز خالص محدثانہ و محققانہ تھا، محدثین یمن کی خصوصیات کا حامل اور شیخ حسین کے درس کا عکس" (۱۹) "یمنی علماء کی کتابوں سے استفادہ بھی پورا تھا، خاص طور پر الامیر محمد بن اسمٰعیل الصنعانی اور سید محمد بن ابراہیم بن الوزیر، علامہ مقبلی، اور علامہ شوکانی کی کتابیں برابر مطالعہ میں رہتیں اور ان کا حوالہ دیتے، علمائے احناف میں سے بھی ان کتابوں کا حوالہ دیتے جن کا پایہ حدیث میں مسلم ہے، اور جنھوں نے مذہب حنفی کے اثبات میں احادیث ہی سے زیادہ تر کام لیا ہے، مثلاً امام طحاوی، علامہ زیلعی، اور ابن الترکمانی،

اور ابن ہمام" (۲۰) "اصول حدیث کے بعض نوادر ان کے خاص مآخذ تھے، جن میں "تنقیح الأنظار" اور "توضیح الأفکار" کے قلمی متن وشرح کے مسودات خاص طور پر قابل ذکر ہیں"۔(۲۱)

"صرف شروح پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ اونچے سے اونچے مآخذ طلبہ کے سامنے پیش کر دیتے تھے، مثلاً صحیح بخاری میں اگر کوئی اختلافی مسئلہ آجاتا تو صرف فتح الباری اور عینی ہی پر بس نہیں ہوتی، بلکہ امام شافعی کے نقطۂ نظر کو سمجھانے کے لئے ان کی " کتاب الأم" پڑھاتے، امام مالک کے دلائل کے لئے "مدونہ" اور اسکی شروح پیش کرتے۔" (۲۲) "نکات اور توجہات کی طرف زیادہ میلان نہیں تھا، بلکہ اندازِ بحث بالکل محدثانہ ہوتا تھا" (۲۳) "اسماء الرجال کی کتابوں پر بھی ان کی بڑی گہری نظر تھی، یہاں بھی متقدمین کی تصانیف کی فکر میں رہتے تھے، میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ اور لسان المیزان کے اقوال تنقیدی نظر سے پڑھتے تھے، اور متقدمین کی کتابوں میں ان کی سند تلاش کرتے تھے"۔(۲۴)

"حدیث صحیح کا جواب حدیث صحیح سے اور نقد حدیث کے مسلمہ اصول و مجتہدانہ مباحث سے دیتے تھے، ان کا درس عملی تھا، جس میں طالب علم استاد کے ساتھ شریک عمل ہوتے تھے، مولانا طلبہ ہی سے کتابوں کے نقول، مذاہب کے دلائل، رجال پر نقد و جرح کی بحثیں نکلواتے تھے اور کبھی کبھی مرتب کراتے تھے، اور بعض مرتبہ بعض کتابوں کی شرح کا کام شروع کراتے تھے، اس طرح تدریس و تالیف کا سلیقہ سکھاتے تھے"۔(۲۵)

"بعض اوقات مسائل کی تحقیق کے سلسلہ میں قرآن و حدیث کے ایسے الفاظ آجاتے تھے جن کا مفہوم متعین کرنے میں اہل زبان مختلف الخیال ہیں، ایسے مواقع پر علمائے معانی و بیان اور ائمۂ لغت کی اہم تصانیف کھلتیں، کلام عرب سے استشہاد ہوتا اور الفاظ کی حیثیت اور مختلف زبانوں میں ان کے استعمال کی تاریخ پر نظر ڈالی جاتی، اور بڑی کدو کاوش کے بعد رائے قائم کی جاتی" (۲۶) "مولانا کے درس کی ایک برکت یہ تھی کہ فن حدیث سے مناسبت اور اس کی بنیادی کتابوں سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی" (۲۷) "میں نے یہ طریقۂ درس کہیں اور نہیں دیکھا اور میرے خیال میں علمی حیثیت سے اس سے زیادہ مفید اور ترقی یافتہ طریقۂ درس نہیں ہے"۔(۲۸)

مولانا علی میاں کے علم حدیث میں استفادہ کے سلسلہ میں ان کے قیام دیوبند اور مولانا حسین احمد مدنی کے حلقۂ درس میں شرکت کا تذکرہ اگر نہ کیا جائے تو علمی امانت کا حق ادا نہ ہوگا، بلکہ یہاں تو اس کا ذکر کرنا یوں بھی ضروری ہو گیا کہ مولانا مدنی اور مولانا حیدر حسن دونوں کے طریقۂ درس کا کیا انداز تھا؟ اور مولانا علی میاں نے ان میں سے کس کا اثر قبول کیا؟ اور ان کے نزدیک کس کا طریقۂ درس مفید اور ترقی یافتہ ہے؟ یہاں بغیر کسی کم وکاست مولانا علی میاں کے دیوبند میں قیام اور مولانا مدنی کے درس میں شرکت خود انہیں کے قلم سے :

"۱۹۳۲ء میں مولانا مدنی کی کسی تشریف آوری کے موقع پر بھائی صاحب نے مجھے مولانا مدنی کی خدمت میں پیش کیا، میں نے اپنے کچھ حالات عرض کئے، مولانا نے بھائی صاحب کو مشورہ دیا کہ مجھے ان کے پاس دیوبند بھیج دیا جائے، تعلیمی سال جو تمام مدارس عربیہ میں شوال سے شروع ہوتا ہے نصف سے زیادہ ہو چکا تھا، اور میرے بارے میں مولانا کا منشاء باقاعدہ طالب علم بننے کا تھا بھی نہیں، صرف کچھ دن ساتھ رہنے کا تھا، میں ربیع الاول یا ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ (جولائی، اگست ۱۹۳۲ء) کو دیوبند حاضر ہوا، اس وقت تعلیم اور درس حدیث اپنے نقطۂ عروج پر تھا، مولانا کے یہاں بخاری اور ترمذی ہوتی تھی، میں نے اس میں باقاعدہ شرکت شروع کر دی"۔(۲۹)

مولانا مدنی کے طریقۂ درس کا حال خود مولانا علی میاں کے بیان کے مطابق :

"ایک مسئلہ پر بعض اوقات تین تین چار چار دن مسلسل (۶۰ منٹ کے تعلیمی گھنٹہ میں) تقریر جاری رہتی، اور مسئلہ کا مالہ وما علیہ ائمہ کے اختلاف ومذاہب، اور ان کے دلائل و مآخذ، متن و اسناد و رجال کی بحثیں برجستہ، اس سب پر مولانا کا مخصوص دلکش لہجہ اور دار الحدیث کی روحانی و پر سکینت فضا ابھی تک آنکھوں میں ہے، اور گویا اس وقت بھی بالسند المتصل إلى أمير المؤمنين في الحديث ..... کی آواز کانوں میں گونج رہی ہے، درمیان میں طلبہ کے سوالات کا (جن میں غیر متعلق بھی ہوتے) تحمل کیساتھ جواب دیتے، آخر سال میں درس کی مصروفیت اتنی بڑھ جاتی کہ عصر کے بعد بھی درس، عشاء کے بعد بھی دیر رات تک درس، صبح کی نماز کے بعد بھی درس، اچھے اچھے مستعد طالب علموں کی ہمت جواب دے جاتی، لیکن مولانا کی مستعدی، نشاط اور قوت میں فرق نہ آتا"۔(۳۰)

مولانا علی میاں نے مولانا مدنی کے درس حدیث میں شرکت کے علاوہ قرآن

مجید کی بعض مشکل آیات کے سمجھنے میں بھی استفادہ کیا، مولانا فرماتے ہیں:

"درس حدیث کے علاوہ جس سے مولانا کی قوت تدریس اور شان محدثیت کا اظہار ہوتا تھا، اور پوری فضا پر نورانیت اور سکینت کا سایہ معلوم ہوتا تھا، میں نے مولانا سے قرآن مجید کی بعض مشکل آیات کے سمجھنے کے لئے خصوصی وقت مانگا، مولانا نے مجھے جمعہ جمعہ وقت دیا، جس پر مولانا کے اس وقت کے سیاسی دوروں کی وجہ سے اکثر ناغے ہوجاتے تھے، پھر بھی استفادہ کا موقع ملا، اور مولانا کے تدبر قرآن کا اندازہ ہوا"۔ (۳۱)

تعلیمی سال کے اختتام پر مولانا علی میاں دیوبند سے واپس آجاتے ہیں، فرماتے ہیں:

"جب دارالعلوم میں امتحانات کی تیاری شروع ہوئی اور کتابیں ختم کے قریب پہونچیں تو میں دیوبند سے واپس آگیا"۔ (۳۲)

اب میں اس سلسلہ کو مولانا علی میاں کی ایک عبارت پر جس میں دیوبند کے طریقۂ درس پر مولانا کا زبردست ریمارک ہے ختم کرتا ہوں اور نتیجۂ بحث قاری کے ذمہ چھوڑتا ہوں، مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"دیوبند کے قیام میں میرے لئے دل بستگی کا واحد ذریعہ مولانا (مدنی) کی ذات گرامی تھی، میری ذہنی و تعلیمی پرداخت اس انداز سے ہوئی تھی کہ میرے لئے وہاں کی درسی و مدرسی ماحول میں دلچسپی کا کم سامان تھا، لیکن مولانا کی ایک نگاہ التفات، ایک تبسم، کسی وقت شفقت سے کچھ پوچھ لینا سارا بوجھ ہلکا کردیتا، اور دل دیر تک اس کا مزہ لیتا"۔ (۳۳)

یہاں مولانا علی میاں نے اپنی جس ذہنی و تعلیمی انداز تربیت کی طرف اشارہ کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس اجمال کی تفصیل خود مولانا کے مطالعۂ ادب و حدیث کی سرگزشت، اور ان کے اساتذہ ادب و حدیث کے طریقۂ درس سے روشن و عیاں ہے، مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مولانا حیدر حسن خاں کے طریقۂ درس و طرز تحدیث نے جو خالص محدثانہ و محققانہ اور جو محدثین یمن کی خصوصیات کا حامل اور شیخ حسین یمانی کے درس کا عکس تھا، مولانا علی میاں کے فکر و خیالات میں وسعت پیدا کی، اور عمل بالحدیث کی راہ آسان کردی، چنانچہ قراءۃ خلف الإمام ہو یا سفر میں جمع بین الصلاتین، تعدیل ارکان فی الصلاۃ ہو یا صفت نماز کی ادائیگی کی کیفیت، مولانا علی میاں عاملین بالحدیث کی صف میں نظر

آتے ہیں، غالباً مولانا علی میاں اپنی اسی توسع کی وجہ سے ابویحیٰ امام خاں نوشہروی (م۱۳۸۶ھ) کی مشہور کتاب "تراجم علمائے اہلحدیث ہند" میں جگہ پانے کے مستحق ہوئے۔

مطالعۂ حدیث مولانا علی میاں کا پسندیدہ موضوع و مشغلہ رہا ہے، ایک عرصہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ابواب بخاری (کتاب الایمان، کتاب العلم) کا درس دینے کا معمول رہا ہے، ادھر چند سالوں سے عالمیت کے طلبہ کو ترمذی اور فضیلت کے طلبہ کو صحاح ستہ بشمول موطا امام مالک او رمسند احمد کی سند عطا فرماتے، نیز حجاز و شام اور ہندوستان کے متعدد علماء و مشائخ کو اجازت حدیث عنایت فرمائی۔

مولانا کی سند حدیث کا ذکر آگیا ہے تو یہ عرض کرتا چلوں کہ مولانا کو سند حدیث دو جلیل القدر محدث سے حاصل ہے ان میں ایک مولانا حیدر حسن خاں (م۱۳۶۱ھ) اور دوسرے صاحبِ "تحفة الأحوذي" مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م۱۳۵۳ھ) اور ان دونوں کی سند حدیث شیخ حسین بن محسن یمانی کے طریق سے علامہ شوکانی صاحبِ "نیل الأوطار"، اور شیخ الاسلام عبدالرحمٰن بن سلیمان الاھدل کے واسطہ سے علمائے حرمین تک پہونچتی ہے، اور میاں سید نذیر حسین بہاری ثم دھلوی (م۱۳۲۰ھ) کے طریق سے مولانا ٹونکی اور مولانا مبارکپوری کی سند شاہ ولی اللہ عن ابی طاہر محمد بن ابراہیم الکردی ائمۂ حرمین سے مل جاتی ہے، اس طرح مولانا علی میاں یمنی اور حجازی دونوں طرز تحدیث کے تلمیذ و خریج ہیں۔ (۳۴)

یہاں یہ بھی واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گو مولانا علی میاں نے مولانا حسین احمد مدنی کے درس بخاری و ترمذی میں چار ماہ ضرور شرکت کی، لیکن ان سے اجازت حدیث کا ثبوت مولانا علی میاں کی کسی تحریر و بیان اور ان کی سند حدیث میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

اخیر عمر میں صحیح بخاری سے مولانا کا شغف بہت بڑھ گیا تھا، اپنے کسی عزیز سے متن بخاری کا کچھ حصہ روزانہ سماعت فرماتے، اور اپنے والد کی حدیث میں تصنیف لطیف "تھذیب الأخلاق" زیر مطالعہ رہتی، ادھر کئی سالوں سے ندوۃ العلماء میں ختم بخاری کے موقع پر بخاری کی آخری حدیث کی روشنی میں پراز معلومات اور ایمان افروز تقریر فرماتے۔

مولانا موصوف نے اپنے تین قیمتی رسالہ میں حدیث کے موضوع پر مختلف زاویۂ نگاہ سے روشنی ڈالی ہے، وہ تینوں رسالے جو کہ عربی میں ہیں، حسب ذیل ہیں: (۱) المدخل إلى دراسات الحديث النبوي الشريف (۲) دور الحديث في تكوين

المجتمع الإسلامی (۳) محمد بن إسمعيل البخاری و کتابه الجامع الصحيح۔

اول الذکر رسالہ میں حدیث سے متعلق نہایت قیمتی اور اچھوتی بحث ہے، ساتھ ہی صحاح ستہ کی خصوصیات، اصول حدیث، فن جرح و تعدیل، اسماء الرجال، تدوین حدیث جیسے موضوعات پر ایک نیا زاویہ فکر پیش کیا ہے، طالبان علوم حدیث کے لئے یہ رسالہ بہت مفید ہے۔

ثانی الذکر رسالہ جو خود صاحب مضمون کے بیان کے مطابق: ''اس مقالہ میں ایک نئے زاویہ نگاہ اور ایک نئے اسلوب سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حدیث مسلمانوں کی زندگی میں کیا مقام رکھتی ہے؟ امت کو سنت کی کس قدر ضرورت ہے؟ اور اس امت کے سنت مطہرہ سے رشتہ منقطع ہو جانے اور حدیث نبوی کے سرمایہ سے محروم ہو جانے میں امت کا کتنا بڑا خسارہ ہے؟ اور وجود اسلامی کے لئے کتنا بڑا خطرہ مضمر ہے؟ حدیث کے سند و حجت ہونے کے بارے میں شک و شبہ و بے اعتمادی پیدا کرنے کی عالم اسلام کے بعض گوشوں میں جو تحریک چل رہی ہے وہ اسلام کے خلاف کتنی گہری اور خطرناک سازش ہے؟ اور اسکے پیچھے کون سے مقاصد و محرکات سرگرم عمل ہیں''۔(۳۵)

دراصل یہ رسالہ جس کا اردو ترجمہ ''اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار'' اور انگریزی ایڈیشن (Role of Hadith in the promotion of Islamic climate and attitudes) مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے توسیع خطبات کے موقع پر عالم اسلام کی اہم شخصیات کے سامنے پڑھا گیا، اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

آخر الذکر مولانا کا وہ مقالہ ہے جسے اکتوبر ۱۹۹۳ء میں سمرقند میں امام بخاری پر منعقد دو روزہ سمینار میں عالم اسلام کے مشاہیر اور فضلائے حدیث کی موجودگی میں پیش کیا گیا، جس میں امام بخاری اور ان کی کتاب ''الجامع الصحیح'' سے متعلق قیمتی نکات و مباحث آگئے ہیں۔

''تاریخ دعوت و عزیمت'' حصہ اوّل میں تدوین حدیث، محدثین کی بلند ہمتی اور جفاکشی، فن اسماء الرجال، محدثین کی احتیاط و امانت، ان کا قوت حافظہ اور استحضار، مجالس درس میں سامعین کے ہجوم پر خاصہ مواد جمع ہو گیا ہے، جو دراصل تاریخ تدوین حدیث کا

خلاصہ و نچوڑ ہے۔

"تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ پنجم باب ششم میں حدیث کی اہمیت اور ہر ملک اور ہر دور میں اسکی ضرورت، حدیث امت کے لئے صحیح میزان و معیار ہے، تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکیں علم حدیث سے وابستہ ہیں، پھر ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ پر بڑی سیر حاصل بحث آگئی ہے۔

مولانا کی تصانیف بالخصوص "ارکان اربعہ" میں حدیث سے بھرپور استفاد ملتا ہے۔

ضعیف اور موضوع حدیث پر عمل کے سلسلہ میں مولانا علی میاں متشددین گروپ میں نظر آتے ہیں، یعنی یحی بن معین، امام بخاری و مسلم، ابن حزم اور شیخ البانی وغیرہ کی فکر کے قریب دکھائی دیتے ہیں، اس بارے میں مولانا کا موقف ملاحظہ فرمائیں۔

"اسلام میں اکثر فتنے شکوک و شبہات اور اختلافات ان حدیثوں سے پیدا ہوئے ہیں جو موضوع اور ضعیف ہیں، درحقیقت موضوع اور ضعیف حدیثوں میں نور نبوت، اصلاح و تربیت کی حقیقی طاقت اور اللہ کی طرف سے وہ تائید و حفاظت نہیں ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے ساتھ موعود ہے، پھر اس کے اندر بکثرت وہ عنصر ہے جس کو عقلیں آسانی سے ہضم نہیں کرسکتیں، اور مختلف شبہات کی تخم ریزی ہوتی ہے، میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ فضائل اعمال تک میں صرف احادیث صحیحہ پر اکتفاء کی جائے، اور ان احادیث کو پیش کیا جائے جن پر محدثین نے بالاتفاق کلام کیا، یا جو ان مجموعوں میں بند ہیں جن کو عام شہرت اور تلقی امت کا درجہ حاصل ہے، بڑے تجربوں کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں اور آخر میں یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ صحیحین کو خصوصیت کیساتھ اور پھر باقی صحاح کو بالعموم حدیث کے پورے ذخیرہ میں امتیاز حاصل ہے، اور وہ کتابیں جن کے ساتھ امت نے اس درجہ کا اعتناء نہیں کیا ان کے ہم پلہ نہیں ہوسکتیں، خصوصیت کیساتھ اس دور فتن میں جس میں طبیعتوں میں بکثرت زیغ و ضلال پایا جاتا ہے احادیث و روایات کے بارے میں اس احتیاط کو ملحوظ رکھنے کی بڑی ضرورت ہے"۔(۳۶)

حدیث شریف کی بعض اہم کتابوں اور شروح کے بارے میں مولانا علی میاں کے خیالات و تاثرات ملاحظہ فرمائیں۔

ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی (م۶۷۶ھ) کی "شرح مسلم" کے بارے میں

مولانا کی رائے ہے:

"درس حدیث میں عملی طور پر سب سے زیادہ فائدہ نووی کی "شرح مسلم" سے ہوا ،جو ایک مبتدی طالب علم کے لئے بڑا اچھا استاد ہے، شروح حدیث سے فائدہ اٹھانے اور ذہن پر زور دینے کا ملکہ اس سے پیدا ہوا"۔(۳۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) کی "فتح الباری شرح صحیح البخاری" پر مولانا کا ریمارک ہے:

"فتح الباری سے استفادہ کی اصل نوبت تدریس کے زمانہ میں آئی، اس وقت حافظ ابن حجر کی وسعت نظر، فن حدیث میں ان کی قدرت اور اس کے وسیع ذخیرہ پر ان کا احتواء دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں، یہ کتاب مسلمانوں کا ایک علمی کارنامہ ہے جس کی نظیر سے دوسری ملتوں کا مذہبی ذخیرہ خالی ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے کہیں کہیں وجد و سرور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے"۔(۳۸)

محمد بن نصر المروزی (م۲۹۴ھ) کی کتاب "قیام اللیل" سے مولانا بہت متاثر ہیں، فرماتے ہیں:

"ابتدائے شباب میں جو کتابیں فرشتۂ رحمت بن کر سامنے آئیں ان میں سب سے زیادہ مؤثر اور محسن کتاب محمد بن نصر المروزی کی کتاب "قیام اللیل" ہے، اس کتاب کا خاص کام یہ ہے کہ عقلی اور استدلالی طریق سے نہیں بلکہ قلبی اور ذوقی طور پر دلچسپی اور شوق کا رخ بدل دیتی ہے، اور سارا کھیل دلچسپی اور انس ہی کا ہے، اس کتاب میں شب بیدار نوجوانوں کے ایسے مؤثر واقعات لکھے ہیں اور قرآن مجید کی بعض آیات کی اتنی پر اثر تفسیر اور "قیام لیل" کے فضائل جمع کئے ہیں جو اگر کسی خوش قسمت نوجوان کو آغاز شباب میں مل جائیں اور اپنا اثر کر جائیں تو ایک شیخ کامل کی بیعت سے کم نہیں"۔(۳۹)

حافظ ابن قیم الجوزیۃ (م۷۵۱ھ) کی " زاد المعاد" جو دراصل فقہ السنہ کی بے مثال شاہکار ہے، مولانا علی میاں اس کتاب کے بڑے قدرداں ہیں، فرماتے ہیں:

"میری مدرسی تعلیم کا اختتام ہو چکا تھا، اور آزاد مطالعہ کا آغاز، حافظ ابن قیم کی "زاد المعاد" میرا کتب خانہ، میری رفیق سفر، اور میری گویا اتالیق و معلم تھی، دینیات کے کتب خانہ کی اتنی بہتر نمائندگی ایک کتاب میں ملنی مشکل ہے، اگر مجھے کبھی پورے ذخیرۂ علمی

سے محروم کردیا جائے اور صرف دو کتابوں کی اجازت دی جائے تو میں کتاب اللہ اور "زاد المعاد" اپنے ساتھ رکھوں گا، اس نے مجھے نماز سکھائی، دعائیں اور اذکار یاد کرائے، سفر کے آداب بتائے، روزمرہ زندگی کے مسنون قواعد واحکام سکھائے، اور سنت کا ضروری علم بخشا"۔ (۴۰)

دوسری جگہ طلبۂ حدیث اور دعوتی وتربیتی کام کرنے والوں کو اس کتاب کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں:

"حدیث کے طالب علم اور اصلاح وتربیت کے شائقین سے اس کے مطالعہ کی پرزور سفارش کرتا ہوں، میں نے مدینہ طیبہ کے قیام میں اس کی تجرید کا بھی کام شروع کیا تھا"۔ (۴۱)

مولانا کے مطالعۂ حدیث کے دو سالہ مدت تعلیم کے زمانہ میں قلبی اور اخلاقی حیثیت سے حدیث کے جس حصہ کا سب سے زیادہ اثر پڑا وہ ترمذی کی "كتاب الزهد والرقاق" اور ابوداؤد کی "كتاب الأدعية" ہے، ان ابواب سے بے اعتنائی کا شکوہ وجواب شکوہ مولانا ہی کے قلم سے :

"افسوس ہے کہ یہ ابواب ہمارے مدارس میں بہت رواروی اور سرسری طور پر پڑھائے جاتے ہیں، حالانکہ یہی ابواب باضافہ کتاب الایمان وکتاب العلم سیرت کی تعمیر میں سب سے بڑا ذریعہ اور تربیت واصلاح کا سب سے مؤثر سامان ہے"۔ (۴۲)

محدث جلیل مولانا محمد زکریا کاندھلوی (م ۱۴۰۲ھ) کے حدیث شریف سے شغف کا تذکرہ اور ان کی شروح وتعلیقات پر مولانا علی میاں کا تبصرہ ہے:

"حدیث وعلوم حدیث شیخ کا اصل ذوق، موضوع، اور محنت وتحقیق کا میدان تھا، اور اس کو وہ تقرب الی اللہ وتقرب الی الرسول کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے تھے، اور اس کو انہوں نے اپنا شعار ودثار بنالیا تھا، یہاں تک کہ "شیخ الحدیث" کا لقب ان کے نام کا قائم مقام اور اس سے زیادہ مشہور ہوگیا تھا"۔ (۴۳)

شیخ کے رسالہ "حجة الوداع" کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

"علمی، معنوی اور اپنے مواد ومعلومات کے لحاظ سے "بقامت کہتر وبقیمت بہتر" کا مصداق ہے، اور اس کے اندر اس موضوع پر اتنا محدثانہ ومحققانہ مواد آگیا ہے، جس کو

دیکھ کر یہ خیال بھی نہیں گذر سکتا کہ یہ ایک دن ڈیڑھ رات میں پورا ہوا ہے، اس موقع پر عمرات نبوی کی بحث، ان کی تعداد اور تحدید کی تحقیق، اور ان سے فقہی احکام کا استخراج بھی فرمایا، اس طرح یہ رسالہ اس موضوع پر کافی وشافی بن گیا، اور اس کو اس موضوع پر ایک چھوٹا سا دائرۃ المعارف کہا جاسکتا ہے"۔(۴۴)

شیخ کی مہتمم بالشان کتاب "أوجز المسالك شرح موطأ الإمام مالك" کا تعارف کراتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

"اوجز کے شروع میں نوے صفحے کا ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں فن حدیث کے تعارف و تاریخ اور تدوین حدیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، پھر کتاب اور صاحب کتاب امام مالک کا مفصل تعارف، اور ان دونوں کی خصوصیات و امتیازات کا مفصل تذکرہ ہے، نیز اس کے شروح اور عہد بعہد خدمات، اس کے ساتھ امت کے اعتناء کا ذکر ہے، پھر اپنے مشائخ اور سلسلہ ولی اللٰہی کے اسانید کی تفصیل، پھر اس سب کے بعد امام ابو حنیفہ کا تذکرہ اور ان کی محدثانہ حیثیت و درجہ، اور ان کے اصول و مسلک کا تذکرہ ہے، پھر متفرق فوائد و قواعد اور ہدایات و توجیہات ہیں"۔(۴۵)

"لا مع الدراری": جو اصلاً مولانا گنگوھی کی تقریرات بخاری اور مولانا محمد یحیٰ کے حواشی کا مجموعہ ہے شیخ کے اضافے و حواشی سے شائع ہوئی ہے، مولانا علی میاں کی نگاہ میں:

"حدیث کے طالب علموں اور مدرسین کے لئے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ بن گیا ہے، اس سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کی قدر اہل درس ہی کر سکتے ہیں، کتاب کے شروع میں ایک سو باون صفحے کا فاضلانہ مقدمہ ہے، جس میں نہ صرف امام بخاری اور ان کی نادر روزگار "الجامع الصحیح" کے مختلف گوشوں، مباحث و مسائل پر مبسوط کلام ہے، اور اس میں وہ معلومات، فوائد و نکات جمع کر دیئے گئے ہیں، جو اصول و رجال اور تذکروں کے ہزاروں صفحات میں منتشر ہیں، بلکہ مراتب کتب حدیث، ابواب حدیث، تقلید و اجتہاد، اور احناف کے دفاع کے سلسلہ کی وہ تحقیقات بھی جمع کر دی گئی ہیں، جن سے یہ مقدمہ طالبین حدیث بالخصوص حنفی المسلک علماء کے لئے ایک اچھی بیاض بن گیا ہے"۔ (۴۶)

اسی طرح شیخ کے رسالہ "الأبواب والتراجم للبخاری": کو مولانا علی میاں ان کے تحقیقی ذوق، اپنے مشائخ سے محبت اور ان کے علوم کی حفاظت کا نمونہ قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں :

"یہ رسالہ شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود حسن دیوبندی کے رسائل و تحقیقات کا مجموعہ ہونے کے علاوہ، ابواب و تراجم کے سلسلہ میں ان اصول و قواعد پر حاوی ہے، جو حافظ ابن حجر، قسطلانی، حافظ عینی کے شروح میں آئے ہیں، پھر ان میں ان اصول و قواعد کا اضافہ کیا ہے، جو ان کے ذوق و تحقیق اور طویل اشتغال و غور و تأمل کا نتیجہ ہیں، اس طرح ان اصول و قواعد کلیہ کی تعداد ستر تک پہونچ گئی ہے، ہمارے علم میں اتنا احتواء کسی کتاب میں نہیں کیا گیا، جو لوگ جانتے ہیں کہ بخاری کے ابواب و تراجم میں کتنے لطائف و نکات اور دقائق شامل ہیں اور اساتذہ و مدرسین کو اس سلسلہ میں کیا ہفت خواں سر کرنا پڑتا ہے، وہ اس کتاب کی افادیت و اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں"۔ (۴۷)

شیخ کی ان چار کتابوں کا تعارف کرانے کے بعد مولانا علی میاں اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں :

"یہ چار کتابیں جو سب فن حدیث اور اس کے امہات کتب سے تعلق رکھتی ہیں شیخ کو اپنے عہد کا (کم از کم علوم حدیث میں) عظیم مصنف بنانے اور اس کے محققین میں شامل کرنے کے لئے کافی ہیں"۔ (۴۸)

شیخ کی ان کتابوں پر مولانا علی میاں کا مبسوط مقدمہ ہے جس میں ان کتابوں کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

محدث کبیر مولانا خلیل احمد سہارنپوری (م ۱۳۴۶ھ) کی ابوداؤد کی شرح "بذل المجهود" پر مولانا علی میاں کا بڑا قیمتی مقدمہ ہے، جس میں مولانا نے ابوداؤد کی اہمیت اور خطابی (م ۳۸۸ھ) کی "معالم السنن" سے لیکر "بذل المجهود" تک عہد بعہد اسکی شروح کا جائزہ لیا ہے، "بذل المجهود" کی خصوصیات اور اس کی تالیف کے اسباب و محرکات سے بھی بحث کی ہے، ابوداؤد پر کام کرنے والوں کے لئے کافی مواد جمع ہو گیا ہے۔

"الكوكب الدرى على جامع الترمذى" : جو دراصل مولانا رشید احمد گنگوھی کی تقریر ترمذی کا مجموعہ ہے، جسے ان کے ایک لائق شاگرد مولانا محمد یحیی کاندھلوی

(م۱۳۴۴ھ) نے قلمبند کیا ہے، مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے تحقیق و تعلیق کے بعد مولانا علی میاں کے مقدمہ کیساتھ ۱۹۷۵ء میں ندوہ پریس لکھنؤ سے ٹائپ پر چار جلدوں میں شائع کیا۔

مولانا علی میاں نے اپنے مقدمہ میں ابن صلاح، ابن اثیر، اور شاہ ولی اللہ کے حوالے سے ترمذی کی فنی اور تصنیفی خصوصیات پر بڑی فاضلانہ بحث کی ہے، جس میں مولانا نے کتب حدیث سے گہری واقفیت اور مراتب کتب پر دقت نظر کا ثبوت دیا ہے، ترمذی کے سلسلہ میں مولانا نے محدثین کے سرمایہ کا" کشف الظنون"اور مقدمہ "تحفة الأحوذی" کے اعتناء کی طرف ریفر کرنے کے بعد گو اس بارے میں علمائے احناف کی تعلیقات و حواشی، افادات و تقریرات کی مختصر فہرست درج کی ہے، تاہم محدثین احناف کی ترمذی سے بے اعتنائی (باستثناء مولانا یوسف بنوری کی معارف السنن) کا گلہ کیا ہے، حیرت کی بات ہے کہ اس مقدمہ میں مولانا مبارکپوری کی شہرہ آفاق شرح ترمذی "تحفة الأحوذی" کا ذکر کیسے رہ گیا؟ جب کہ مولانا نے اپنی کتاب "المسلمون فی الهند" میں ہندوستانی شروح حدیث کے ضمن میں "تحفہ" کا ذکر کیا ہے (۴۹) اور "المدخل إلى دراسات الحديث النبوی" میں "تحفہ" کی اہمیت اور زمانہ تدریس میں اس سے استفادہ کا اعتراف بھی ہے (۵۰) اسے الإنسان مرکب من النسیان اور قلمی فرد گذاشت پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

"کوکب" پر مولانا محمد زکریا کی تحقیق و تعلیق کا ذکر کرتے ہوئے مولانا علی میاں تحریر فرماتے ہیں:

"اس طرح حضرت گنگوہی کی ترمذی کی تقریرات پر ان مزید فوائد کا اضافہ کیا جو دوسری شروح حدیث میں پائے جاتے تھے، اور کتاب پر مفید حواشی چڑھائے، جن میں بہت سی نادر علمی تحقیقات و تنقیحات آگئی ہیں، جو طویل عرصہ تک درس حدیث اور اشتغال بکتب الحدیث سے ان کے ذہن میں آئے"۔ (۵۱)

"معارف الحدیث": حدیث کے اردو لٹریچر میں مولانا محمد منظور نعمانی (م۱۴۱۷ھ) کا زبردست کارنامہ اور ان کا علمی و دینی شاہکار ہے، حصہ دوم مولانا علی میاں کے بیش بہا مقدمہ سے آراستہ ہے، مولانا نعمانی کے قلم سے اس مقدمہ کی اہمیت پڑھئے:

"اس دوسری جلد پر مقدمہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے

،جس میں انہوں نے حدیث وسنت کی اہمیت پر ایک بالکل نئے انداز میں گفتگو کی ہے،اور اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک نئی راہ کھولی ہے،ان چند صفحات کے مطالعہ سے یہ یقین انشاء اللہ ضرور ہو جائیگا کہ حدیث کی محفوظیت کا انکار اور اس کے بارے میں بے اعتمادی پھیلانے کی کوشش اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی ہے"۔(۵۲)

مولانا علی میاں اپنے مقدمہ کے آغاز میں بعثت نبوی کے مقاصد:(۱) تلاوت (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفوس، کے تذکرہ کے بعد نئے معاشرہ،اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر وارکان ان تین چیزوں کو قرار دیتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی، آپ کی زندگی، سیرت واخلاق (۲) قرآن مجید (۳) آپ کے ارشادات وہدایات، مواعظ ونصائح اور تعلیم و تلقین۔

نیز معاشرت واخلاق کی تعمیر اور سیرت سازی میں حدیث کے بنیادی کردار پر حدیث ہی سے مثالیں پیش کر کے بڑی تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں:

"حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے؟ اور کیسا علم عطا کرتی ہے؟اور انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے؟"۔(۵۳)

پھر حدیث وسنت کے تعارف اور اس کی ہمہ گیریت پر مولانا ایک نیا زاویۂ فکر پیش کرتے ہیں:

"درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث وسنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز وبار آور ہوتا ہے،دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں، وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، ان جذبات وواقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالات زندگی سے ماخوذ ہو، یہودی اور عیسائی نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا،اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب دینی نشوونما و ترقی حاصل کرتے،اور مادیت والحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے ،انہوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کر کے اس خلا کو پیروان مذاہب "پیران طریقت"

کے واقعات وملفوظات سے پر کیا، مگر اس خانہ پری نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات ورسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنادیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی، ان مذاہب واقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات، زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دامنی ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے"۔(۵۴)

حدیث کی آفاقیت اور اس کے ذریعہ اس امت کی بقاء وہدایت پر مولانا روشنی ڈالتے ہیں:

"قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا ،اسلام کا اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کی شریک و سہیم نہیں ،ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب ودماغ کی غذا فراہم کرتا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔"(۵۵)

تاریخ تدوین حدیث کے مطالعہ سے مولانا ایک خاص نتیجہ پر پہنچتے ہیں:

"تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی کوئی جدت نہیں ہے، صحابہ کرام کا عہد نبوی ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کرلینا، پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین وترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران وخراسان وترکستان کے طالبین علم کے سمند رکا امنڈ آنا، اس کا جمع حفظ حدیث سے عشق وشغف، ان کا غیر معمولی حافظہ، ان کا عزم وعالی ہمتی، پھر اسماء رجال وفن روایت، مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکۂ راسخہ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی، پھر ان کا انہماک وخود فراموشی، پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت، یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس "صحیفۂ زندگی" کو محفوظ کرنا مقصود تھا، اسی کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد اور تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی وایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح صرف عقائد واحکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا مزاج ومذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا، اور امت کو طویل تاریخ میں

کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ مزاج و مذاق یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو، ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں"۔(۵۶)

اس بحث کو مولانا فتنۂ انکار حدیث سے پیدا شدہ عظیم نقصان کی طرف نشاندھی فرماتے ہوئے ختم کرتے ہیں:

"جو لوگ امت کو زندگی اور قوت کے اس سر چشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف بے اعتمادی اور شک و ارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں؟ اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں؟ وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اس طرح "محروم الارث"، منقطع الاصل اور آوارہ کر دینا چاہتے ہیں، جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا، اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ پھر اس "مزاج و مذاق" کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرام کا امتیاز تھا، اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہو سکتا ہے، یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات بسی ہوئی ہیں۔"(۵۷)

آخر میں ہندوستان میں اردو فارسی لٹریچر میں ذخیرۂ حدیث کے ترجمہ و تشریح اور نشر و اشاعت کی مختصر تاریخ پر مولانا اپنا مقدمہ ختم کرتے ہیں، گرچہ اس جائزہ میں مزید اضافہ و استدراک کی گنجائش ہے۔

مولانا کی تحقیق کے مطابق شیخ عبدالحق (م۱۰۵۲ھ) نے سب سے پہلے "مشكاة المصابيح" کا فارسی میں ترجمہ و تشریح کی جو "أشعة اللمعات" کے نام سے شائع ہوا، پھر فارسی کا دور ختم ہو جانے کے بعد مولانا خرم علی بلہوری (م۱۲۷۱ھ) نے امام صغانی (م۶۵۰ھ) کی "مشارق الأنوار" کا ترجمہ مع تشریح اردو میں "تحفة الأخيار" کے نام سے کیا، اس کے بعد نواب قطب الدین خاں (م۱۲۸۹ھ) نے "مشكاة" کا اردو ترجمہ ضروری تشریح کے ساتھ "مظاہر حق" کے نام سے کیا، اس دور کے ختم ہو جانے کے بعد اردو میں حدیث کے متعدد نئے مجموعے شائع ہوئے، جن میں مولانا ابراہیم آروی (م۱۳۱۹ھ) کا مجموعہ "طريق النجاة في ترجمة الصحاح من المشكاة" خاص طور پر

قابل ذکر ہے، پھر اردو میں حدیث کی خدمت کا کام اعلیٰ معیار اور وسیع پیمانہ پر مولانا بدر عالم میرٹھی (م ۱۳۸۵ھ) کا ہے، جو "ترجمان السنة" کے نام سے مشہور و متداول ہے، اس سلسلة الذہب کی آخری کڑی مولانا کی نگاہ میں "معارف الحدیث" ہے۔

اس کی پانچویں جلد مشتمل بر "کتاب الأذکار والدعوات" بھی مولانا علی میاں کے وقیع مقدمہ سے آراستہ ہے، جس میں مولانا نے خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کے اعجاز اور کارنامے کو دو شعبوں میں تقسیم کیا ہے: (۱) عبد و معبود کے رشتہ کی تصحیح و تنظیم (۲) عبد و معبود کے رشتہ کا استحکام و دوام۔

اور ان دونوں شعبوں کی مولانا نے بڑی دلنشین و ایمان افروز تشریح فرمائی ہے، انداز بیان اچھوتا اختیار کیا ہے، جس سے علوم نبوت اور اس کے اسرار و حکم پر ان کا احتواء، اور اس کی ترجمانی و تشریح پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

پھر مولانا نعمانی کے دعاء سے شغف کا اعتراف کرتے ہوئے اس کتاب کے محاسن ان الفاظ میں اجاگر فرماتے ہیں:

"اس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حکیم الإسلام شاہ ولی اللہ کی تحقیقات کو قول فیصل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اور اکثر مقامات پر ان سے استفادہ کیا گیا، شاہ صاحب کے ماسوا، انھوں نے حافظ ابن قیم، شیخ الإسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن حجر، بالخصوص ان کی بے نظیر کتاب "فتح الباری" سے پورا استفادہ کیا، اس طرح یہ کتاب ان لوگوں کو جن کا مطالعہ اردو تک محدود ہے، ائمہ سلف اور محققین امت کے نتائج تحقیق سے متعارف کراتی ہے، اور اس نسل اور علمائے متقدمین کے درمیان علمی رابطہ کا کام دیتی ہے"۔(۵۸)

"محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے": تالیف ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری، پر مولانا علی میاں کے مقدمہ میں "مستشرقین اور علم حدیث" کے موضوع پر بڑی اہم اور کام کی باتیں آگئی ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ استشراق کی تاریخ اور مستشرقین کی چابک دستی پر مولانا کی گہری نظر ہے، اس سلسلہ میں آپ مولانا ہی کے قلم سے پڑھئے:

"یورپ کے مستشرقین اور ان کے مشرقی تلامذہ و مقلدین کی ذہانت اور حسن

انتخاب کی داد نہ دینا ظلم ہے کہ انہوں نے عالم اسلام میں ذہنی انتشار، تعلیم یافتہ مسلمانوں میں بے عملی، تعطل، اخلاقی انارکی اور شک وارتیاب پیدا کرنے کے لئے حدیث وسنت کا انتخاب کیا، اور اسکی حجیت، حفاظت، تاریخیت پر ایک منظم حملہ کیا، اور اس پورے شعبہ اور جدید اصطلاح کے مطابق پورے ادارہ (Institution) کو علمی و تاریخی حیثیت سے نہایت مشکوک و مشتبہ اور کمزور و بے بنیاد عمارت کی حیثیت سے پیش کیا۔" (۵۹)

اس سلسلہ کو مولانا آگے بڑھاتے ہیں، اور استشراق کی تحریک کو بے نقاب کرتے ہیں:

"انہوں نے کبھی روایات کی اس تعداد پر جو محدثین کے حالات و تذکروں میں لکھی جاتی ہیں، اپنی سخت حیرت واستعجاب کا اظہار کیا اور اسکو خلاف فطرت بتایا، کبھی محدثین کے حافظہ کے واقعات کو خلاف عقل و قیاس ٹھہرایا، کبھی فاروق اعظمؓ اور بعض دوسرے صحابہ کے استفسارات اور انتظامات کی روایات کا سہارا لیکر مکثرین صحابہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ۔ کی کثرت روایات میں شک وشبہ پیدا کرنے کی کوشش کی، کبھی حدیث کی ترتیب و تدوین کو پچھلے دور اور تیسری چوتھی صدی کی کوشش بتا کر روایت حدیث کے تسلسل اور اس کی تاریخیت کو مجروح قرار دیا، کبھی سیاسی و اعتقادی محرکات وعوامل کو نمایاں کر کے حدیث کے ایک بڑے ذخیرہ کو سیاسی و کلامی مصالح کی بنا پر موضوع قرار دینے کی سعی کی، کبھی تدوین حدیث کو مذاہب اربعہ کے اثبات واحقاق کا تابع وخادم ثابت کر کے احادیث کی نقل و روایت کو فقہی گروہوں اور مکاتب خیال کے تقابل و کشمکش کا نتیجہ ثابت کرنا چاہا۔" (۶۰)

پھر اساتذۂ حدیث کی مستشرقین کے حدیث کے بارے میں اعتراضات، شبہات سے بے خبری کا مولانا شکوہ کرتے ہیں، اور عالم عربی اور برصغیر ہند و پاک میں علماء کے طبقے میں جو بیداری کی لہر آئی ہے اس کا تذکرہ فرماتے ہیں:

"ہمارے قدیم اساتذہ ومدرسینِ حدیث کو ان مستشرقانہ اعتراضات و تشکیکات کی بہت کم خبر ہے، ان کی زیادہ تر توجہ حدیث سے اپنے مذہب کے اثبات اور فنی تحقیقات پر مرکوز رہتی ہے، لیکن اب خدا کے فضل سے مصر وشام اور ہندوستان و پاکستان میں ان مستشرقین کی علمی تلبیسات کا جائزہ لینے کا کام، محدثین کے کارناموں کو علمی و تحقیقی انداز میں پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔" (۶۱)

اس زریں سلسلۂ تصنیف میں مولانا نے دو کتابوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے ان میں ایک شام کے مشہور عالم ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی "السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي" ،اور دوسری تصنیف مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی "تدوین حدیث" ،اس سلسلۂ بحث کو مولانا جاری رکھتے ہوئے مقدمہ "لامع الدراری"اور مقدمہ "تحفة الأحوذی" کے اندر حجیت حدیث اور اس پر جدید اعتراضات اور ان کے تشفی بخش جوابات اور قیمتی مواد جمع ہو جانے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، اور ڈاکٹر تقی الدین کے کام کی قدر دانی کیساتھ اپنے مقدمہ کو اختتام کی منزل تک پہونچادیتے ہیں۔

فن اسماء الرجال ائمۂ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ : تالیف ڈاکٹر تقی الدین ندوی ، کے مقدمہ میں مولانا علی میاں علم حدیث کو علمائے اسلام کا عظیم کارنامہ قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یوں تو تمام علوم علمائے اسلام کی بلند ہمتی اور ذوقِ جستجو کے شاہد ہیں، لیکن بلا خوف وتردید کہا جاسکتا ہے کہ علمائے اسلام نے اپنی سب سے بڑی ذہانت اور محنت جس علم پر صرف کی، اور جس میں انھوں نے اپنی ذہنی کاوش اور علمی موشگافیوں کا سب سے بڑا ثبوت دیا، وہ فنِ حدیث ہے، کسی صاحب نظر کا مقولہ ہے، کہ اسلامی علوم کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم جو نیم پختہ رہی، ایک قسم جو پختگی کے کمال کو پہنچ گئی، اور ایک قسم جو اس سے بھی آگے بڑھ گئی، اور گویا پختہ ہو کر بالکل کھری ہوگئی، اور ان کے الفاظ میں "طُبِخَ و احْتَرَقَ"، اس تیسری قسم میں انھوں نے حدیث کو شمار کیا ہے، جو اپنے کمال وارتقاء کے آخری منازل تک پہنچ کر نشانہ کو پار کر گیا، اور اس میں اب کسی آدمی کے لئے کوئی بات پیدا کرنا اور عامیانہ الفاظ میں کوئی نئی کوڑی لانا تقریباً ناممکن ہو گیا، نہ صرف فن روایت اور متن حدیث بلکہ متعلقاتِ علم حدیث، اسماء الرجال، فنِ جرح و تعدیل، اصولِ حدیث، اور عللِ حدیث میں محدثین اور نقادِ حدیث نے جو باریکیاں پیدا کی ہیں، جن موشگافیوں سے کام لیا ہے، جس ذہانت، نکتہ وری اور دیدہ ریزی کا ثبوت دیا ہے، اس کا کچھ اندازہ ان فنون کے محققین کی ضخیم تصنیفات اور دقیق بحثوں پر نظر ڈالنے ہی سے ہو سکتا ہے، جن میں اکثر مشہور اور مستند مصنفین کا نام پیشِ نظر کتاب میں آگیا ہے، اور جا بجا ان کے اقتباسات اور تحقیقات پیش کی گئی ہیں"۔(۶۴)

مذکورہ بالا کتب حدیث کے علاوہ اور بھی حدیث کی متعدد کتابیں مولانا علی میاں

کے مقدمہ سے آراستہ ہیں، گو ان میں مولانا کے قلم کی جولانی، مواد کی فراہمی اور جس موضوع سے ان مقدموں کا تعلق ہے اس کے مالہ وماعلیہ کے احاطے اور تحلیل و تجزیہ کی کمی دکھائی دیتی ہے، تاہم اس احساس کے باوجود ان مقدموں میں کچھ نہ کچھ کام کی باتیں آ گئی ہیں جو یکسر فائدہ سے خالین ہیں، مثلاً :

"روائع الأعلاق شرح تهذيب الأخلاق " تالیف ابو سحبان روح القدس ندوی: جو فی الواقع استاد گرامی علامہ ابو محفوظ الکریم معصومی کی نگرانی ور ہنمائی کی رہین منت ہے، مولانا علی میاں نے اپنے حوصلہ افزا مقدمہ میں مسلم کی مرفوع حدیث "إن من أبر البر صلة الرجل أهل ود أبيه بعد أن يولّي" (لڑکے کا باپ کیساتھ حسن سلوک ووفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ سلوک کرے) سے یہ نکتہ پیدا کیا کہ لڑکے کا اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں کیساتھ حسن سلوک والد کیساتھ سلوک کے مرادف ہے تو لڑکے کا والد کے علمی آثار اور ان کے میدان عمل سے تعلق ووابستگی والد کے ساتھ سلوک میں بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔

"الروائع والبدائع في البيان النبوي" تالیف محمد نعمان الدین ندوی: کے مقدمہ میں مولانا نے علمائے معانی وبیان کی حدیث کے "جمالِ ادبی" سے بے اعتنائی کا شکوہ کیا ہے، اور فاضل ندوی نوجوان کے کام کی قدر کی ہے۔

"التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد" تالیف عبدالحی فرنگی محلی، تحقیق ڈاکٹر تقی الدین ندوی: کے مقدمے میں مولانا نے اپنے زمانۂ تعلیم حدیث میں اس کتاب سے اپنی واقفیت اور ایام تدریس میں اس کی سلامتی فکر اور وسعت قلبی سے اپنی وارفتگی کا اظہار کیا ہے۔

"ظفر الأماني شرح مختصر الجرجاني" تالیف عبد الحی فرنگی محلی، تحقیق ڈاکٹر تقی الدین: کے مقدمہ میں مولانا نے اس بات کو پوری قوت کیساتھ اٹھایا ہے کہ حدیث کی بقاء اور اس کی حفاظت اور علماء وباحثین کا اس سے شغف دراصل یہ خاتم النبیین ﷺ کی ان خصوصیات میں سے ہے جس سے سابقہ شریعتوں کی تاریخ یکسر خالی ہے۔

نتیجۂ بحث : مذکورہ بالا معروضات مولانا علی میاں کی حدیث فہمی، رسوخ فی الحدیث اور معرفت حدیث میں ان کی علو مرتبت، اور صناعت حدیث میں کامل مہارت کی

غمازی کے ساتھ ساتھ اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ مولانا علی میاں عصر حاضر کے محدثین کی صف میں بلند مقام رکھتے ہیں، گرچہ ان کی شہرت اس حیثیت سے نہیں ہوئی، حالانکہ مولانا کی بیشتر تصانیف، حدیث کی شرح وترجمان، اور ان کی پوری زندگی حدیث کی عملی اور جیتی جاگتی درخشاں تصویر تھی۔

نیز مولانا کے معاصر فضلائے حدیث کا اپنی حدیث کی کتابوں پر ان سے باصرار مقدمہ لکھوانا درحقیقت ان کی طرف سے سند و شہادت کے مرادف، اور ان محدثین و فضلائے حدیث کے اخلاص اور علمی تواضع اور عالی ظرفی کی روشن دلیل ہے.....۔

وما توفيقي إلا بالله وصلى الله وسلّم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

حواشی وحوالہ جات:

(۱) الإعلام بمن فی تاریخ الهند من الأعلام ۶:۱۳-۱۱ (نزہۃ الخواطر)
ندوہ پریس ۱۹۹۲ء
(۲) نفس مصدر ۷:۴۲۷
(۳) ایضاً ۷:۶۰، ۶۱ (۴) ایضاً ۷:۳۱۲
(۵) ایضاً ۸:۳۷۶-۳۸۰
(۶) دیکھئے "روائع الأعلاق" ص ۴۴-۵۳ (۷) الإعلام ۸:۴۷۰
(۸) الإعلام ۸:۲۱۷-۲۱۹، پرانے چراغ ۱:۲۲۹-۲۵۶۔
(۹) دیکھئے پرانے چراغ: ابوالحسن علی ندوی، مکتبہ فردوس لکھنؤ، باردوم ۱۹۸۹ء
۲ : ۳۲۱ - ۳۳۹
(۱۰) ماہنامہ صبح صادق (قرآن نمبر) لکھنؤ جنوری ۱۹۵۶ء
(۱۱) صبح صادق (حدیث نمبر) نومبر ۱۹۵۶ء
(۱۲) نفس مصدر (۱۳) نفس مصدر
(۱۴) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں: مرتب محمد عمران خاں ندوی، معارف پریس اعظم گڑھ۔ ص:۱۷۶
(۱۵) مولانا حیدر حسن خان: از عبدالسلام قدوائی ندوی، معارف پریس اعظم گڑھ۔

۱۹۷۵ء ص:۷
(۱۶) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص:۱۷۶
(۱۷) صبح صادق نومبر ۱۹۵۶ء
(۱۸) کاروان زندگی: ابوالحسن علی ندوی، مکتبہ اسلام لکھنؤ ۱۹۸۳ء ۱:۱۱۱
(۱۹) نفس مصدر ۱:۱۱۱
(۲۰) پرانے چراغ: ابوالحسن علی ندوی، مکتبہ فردوس لکھنؤ بار سوم ۱۹۸۶ء ۱:۱۹۳
(۲۱) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص:۱۶۷
(۲۲) مولانا حیدر حسن خاں ص:۳۳
(۲۳) نفس مصدر ص:۳۲
(۲۴) نفس مصدر ص:۳۵
(۲۵) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص:۱۶۷
(۲۶) مولانا حیدر حسن خاں ص:۴۱
(۲۷) پرانے چراغ ۱:۱۹۳
(۲۸) صبح صادق نومبر ۱۹۵۶ء
(۲۹) کاروان زندگی ۱:۱۲۸، ۱۲۹
(۳۰) پرانے چراغ ۱:۱۹۳
(۳۱) کاروان زندگی ۱:۱۲۹
(۳۲) نفس مصدر ۱:۱۳۲
(۳۳) پرانے چراغ ۱:۱۰۲
(۳۴) دیکھئے نفحات الہند والیمن باسانید الشیخ ابی الحسن: محمد اکرم ندوی، مکتبہ الامام الشافعی ریاض۔ ۱۹۹۸ء
(۳۵) اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار (مقدمہ)
(۳۶) صبح صادق نومبر ۱۹۵۶ء
(۳۷) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۱۶۸
(۳۸) ایضاً مع اضافہ برحاشیہ بقلم صاحب مضمون (مولانا علی میاں) ص ۱۶۸
(۳۹) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۱۷۳

(۴۰) نفس مصدر ص۱۷۲، ۱۷۳

(۴۱) صبح صادق نومبر ۱۹۵٦ء

(۴۲) نفس مصدر

(۴۳) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب: ابوالحسن علی ندوی مکتبہ اسلام لکھنؤ ۱۹۸۲ء بار اول ص ۲۴۶، ۲۴۷

(۴۴) نفس مصدر ص ۲۴۱، ۲۴۲

(۴۵) ایضاً ص ۲۴۳

(۴٦) ایضاً ص ۲۴۴

(۴۷) ایضاً ص ۲۴۴، ۲۴۵

(۴۸) ایضاً ص ۲۴۵

(۴۹) ص ۴۰

(۵۰) ص ۵۰

(۵۱) ایضاً ص ۲۴۵

(۵۲) دیباچہ معارف الحدیث: محمد منظور نعمانی۔ الفرقان بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۹۵ء ۲:۱۰

(۵۳) نفس مصدر ص ۱٦

(۵۴) ایضاً ص:۱۷، ۱۸

(۵۵) ایضاً ص:۱۹

(۵٦) ایضاً ص:۱۹، ۲۰

(۵۷) ایضاً ص:۲۰، ۲۱

(۵۸) مقدمہ معارف الحدیث (مع تلخیص) الفرقان بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۹۹ء ۵:۱۰

(۵۹) محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے: ڈاکٹر تقی الدین ندوی، اعظم گڑھ ۱۹۹۵ء (مقدمہ) ص ۳، ۴

(٦۰) نفس مصدر ص:۴ (٦۱) ایضاً ص:۵

(٦۲) فن اسماء الرجال ائمۂ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ: ڈاکٹر تقی الدین ندوی، اعظم گڑھ ۱۹۹٦ء ص:۸

فصلِ سوم

فضلائے ندوہ کی حدیث اور تاریخ علم حدیث میں تصانیف، مقالے، مضامین اور ترجمے

☆ علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ)

۱۔ امام بخاری (تذکرۃ المحدثین ۱:۲۰۱۔۲۲۱ اعظم گڑھ ۱۳۸۷ھ)

۲۔ امام مالک (تذکرۃ المحدثین ۱:۱۔۵۲) "حیات مالک" اعظم گڑھ و کراچی

۳۔ ہندوستان میں علم حدیث (مقالات سلیمان ۲:۱۔۸۰، اعظم گڑھ ۱۳۸۷ھ)

۴۔ سنت (مقالات سلیمان ۲:۱۶۶۔۱۹۶) اعظم گڑھ ۱۳۸۷ھ

۵۔ تحقیق معنی السنة و بیان الحاجة إلیها القاہرہ ۱۳۷۷ھ

☆ عبدالسلام قدوائی ندوی (م ۱۳۹۹ھ)

۶۔ حدیث نبوی کے اولین صحیفے۔ الندوہ ۱۹۴۱ء، ادارہ تعلیمات اسلام لکھنؤ

۷۔ امام مسلم (تذکرۃ المحدثین ۱:۲۲۶، ۲۶۴۔۱ اعظم گڑھ ۱۳۸۷ھ)

۸۔ مولانا حیدر حسن خاں۔ اعظم گڈھ ۱۹۷۵ء

☆ سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی

۹۔ کتاب زندگی۔ اردو ترجمہ "الأدب المفرد" للبخاری کراچی ۱۹۵۸ء

☆ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (م ۱۴۲۰ھ)

۱۰۔ المدخل إلی دراسات الحدیث النبوی الشریف۔ لکھنؤ ۱۴۱۵ھ

۱۱۔ الإمام البخاری و کتابه الجامع الصحیح ۔ لکھنؤ ۱۴۱۴ھ

۱۲۔ دور الحدیث فی تکوین المجتمع الإسلامی وصیانته ۔ مجلّہ رابطۂ عالم اسلامی (سنت سے متعلق خاص شمارہ) محرم ۱۴۰۲ھ مکہ مکرمہ،

☆ جلیل احسن ندوی (م ۱۹۸۳ء)

۱۳۔ زادِ راہ (منتخب احادیث کا مجموعہ عربی متن کے ساتھ) دہلی ۱۹۹۸ء

۱۴۔ راہِ عمل (مجموعۂ احادیث برائے اصلاح و تربیت) رام پور ۱۹۷۰ء

۱۵۔ سفینۂ نجات۔ دہلی ۱۹۸۲ء

☆ ابوالحسنات ندوی (م ۱۳۴۳ھ)

۱۶۔ تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی

☆ شاہ عزالدین ندوی (م ۱۳۹۷ھ)

۱۷۔ علوم الحدیث

۱۸۔ حیات احمد بن حنبل

☆ شاہ جعفر پھلواروی ندوی (م ۱۹۸۳ء)

۱۹۔ گلستان حدیث

۲۰۔ انتخاب حدیث

۲۱۔ معارف حدیث

۲۲۔ مقام سنت

۲۳۔ ریاض السنۃ

☆ سید ابو ظفر ندوی (م ۱۳۷۸ھ)

۲۴۔ تذکرہ محمد بن طاہر محدث پٹنی۔ ۱۹۵۴ء

☆ محمد اویس نگرامی ندوی (م ۱۹۷۶ء)

۲۵۔ اصول حدیث۔ لکھنؤ ۱۳۸۳ھ

☆ مجیب اللہ ندوی (جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڈھ)

۲۶۔ ریاض الحدیث۔ فیض آباد ۱۴۱۱ھ

☆ حافظ محمد عبدالقیوم ندوی

۲۷۔ فہم حدیث

☆ محمد ساجد کاظمی ندوی

۲۸۔ فضائل درود پر چالیس حدیثیں (مع عربی متن) نامی پریس لکھنؤ

۲۹۔ انوار (درود و سلام اور محبت رسول پر مفید رسالہ حدیث کی روشنی میں) نامی پریس لکھنؤ

☆ مختار احمد ندوی (الدار السلفیۃ۔ ممبئی)

۳۰۔ المصنف لا بن أبی شیبة (ج ۵ تا ۱۵) تصحیح کراچی ۱۴۰۶ھ

۳۱۔ الجامع لشعب الإیمان للبیهقی۔ جلد ہشتم۔ نگرانی بر تحقیق و تخریج احادیث، ممبئی ۱۴۰۹ھ

☆ ڈاکٹر سعید الاعظمی الندوی (ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ)

۳۲۔ محدث الھند الکبیر العلامۃ حبیب الرحمن الاعظمی

☆ ڈاکٹر محمد غوث الندوی (امریکہ)

۳۲۔ مسانید الصحابیات من جمع الجوامع للسیوطی ۔ تحقیق، حیدر آباد ۱۴۱۲ھ

☆ محمد رئیس ندوی (جامعہ سلفیہ۔ بنارس)

۳۳۔ اللمحات إلی ما فی" أنوار الباری" .... (۴ جلدیں) بنارس ۱۴۰۳ھ۔ ۱۴۰۶ھ

☆ ڈاکٹر محمد لقمان الاعظمی الندوی (حائل)

۳۴۔ دراسات فی الحدیث النبوی

☆ ڈاکٹر تقی الدین ندوی (ابو ظبی)

۳۵۔ الإمام البخاری سید المحدثین۔ دمشق

۳۶۔ الإمام مالك و مكانة كتابه الموطأ ۔ابو ظبی ۱۳۹۹ھ

۳۷۔ أبو داؤد الإمام المحدث الفقیه ابو ظبی ۱۳۹۸ھ

۳۸۔ الإمام أحمد و دراسة عن مسنده العظیم

۳۹۔ علم رجال الحدیث دبئی ۱۴۰۶ھ

۴۰۔ كتاب الزهد الكبير للبیهقی تحقیق و تعلیق ابوظبی ۱۴۰۱ھ

۴۱۔ کتاب الزھد للإمام أحمد تحقیق و تعلیق

۴۲۔ أعلام المحدثین بالهند مکہ مکرمہ

۴۳۔ لمحة عن تعریف أهم مراجع السنة ابوظبی

۴۴۔ فن اسماء الرجال علمائے حدیث کا عظیم کارنامہ اعظم گڑھ ۱۹۹۶ء

۴۵۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامہ اعظم گڑھ ۱۹۹۵ء

۴۶۔ مستشرقین اور علم حدیث۔ معارف اعظم گڑھ اور الإسلام و المستشرقون ص ۳۳۵۔۳۷۵ جدہ ۱۴۰۵ھ

۴۷۔ التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد للعلامه عبد الحي
تحقیق و تعلیق دمشق ۱۴۱۲ھ
۴۸۔ ظفر الأماني شرح مختصر الجرجاني للعلامه عبد الحي تحقیق و تعلیق
دبئ ۱۴۱۵ھ
۴۹۔ بذل المجهود في حل أبي داؤد للكاندھلوی تحقیق
۵۰۔ أوجز المسالك شرح موطأ الإمام مالك للشيخ محمد زكريا تحقیق
زیر طباعت

☆ شمس الحق ندوی (ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ)

۵۱۔ تدبر حدیث۔ ترجمہ و تلخیص: "دراسات في الحديث النبوي" دہلی ۱۹۹۶ء
۵۲۔ ترجمہ "تهذيب الأخلاق" للعلامة عبدالحي الحسني ۔ زیر طباعت

☆ ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم البستوی (مکہ مکرمہ)

۵۳۔ معرفة الثقات للعجلي (م ۲۶۱ھ) دراسۃ و تحقیق مدینہ منورہ
۵۴۔ الشجرة في أحوال الرجال للجوزجاني (م ۲۵۹ھ) تحقیق ریاض ۱۴۱۱ھ
۵۵۔ أمارات النبوة للجوزجاني تحقيق ریاض
۵۶۔ المهدي المنتظر في ضوء الأحاديث والآثار الصحيحة وأقوال العلماء و آراء الفرق المختلفة۔ بیروت ۱۴۲۰ھ
۵۷۔ الموسوعة في أحاديث المهدي الضعيفة والموضوعة۔ بیروت ۱۴۲۰ھ
۵۸۔ مرويات عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده بين القبول والرد
۵۹۔ الجزء الحادي عشر من كتاب إتحاف المهرة بأطراف العشرة للحافظ ابن حجر تحقیق مدینہ منورہ
۶۰۔ الجزء السادس من لسان الميزان للحافظ ابن حجر تحقیق
۶۱۔ سؤالات الآجري أباداؤد السجستاني في الجرح والتعديل زیر طباعت
۶۲۔ القسم الرابع من سنن الإمام أبي داؤد السجستاني (كتاب الصيد تا كتاب الأطعمة) تخریج و تحقیق
۶۳۔ سيرة الإمام البخاري للعلامة عبدالسلام المباركفوري (م ۱۳۴۲ھ)

عربی ترجمہ و تعلیق بنارس ۱۹۸۶ء

☆ ابو مسعود اظہر ندوی (دہلی)

۶۴۔ گنجینۂ حکمت۔ ترجمہ و تلخیص جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم لا بن رجب (م ۷۹۵ھ)

☆ ڈاکٹر محمد سعید الباؤ نجبی الحلبی (امریکہ)

۶۵۔ تلخیص المتشابه فی الرسم وحماية مأأشكل منه عن بوادر التصحيف والوهم للخطيب البغدادی تحقیق

۶۶۔ جامع التحصيل لأحكام المراسيل للإمام العلائی تحقیق

۶۷۔ إتحاف الساجد بما صح من الأحاديث فی المساجد

۶۸۔ الخلافة والصحابة فی ضوء الروايات المأثورة عن أئمة آل البيت۔

☆ ڈاکٹر محمود احمد القیسیۃ الندوی (ابوظبی)

۶۹۔ الإمام ابن الجوزی و كتابه "الموضوعات" ابوظبی ۱۴۰۳ھ

☆ ڈاکٹر مصطفی ابو سلیمان الندوی (مصر)

۷۰۔ کتاب فضائل الأعمال للضياء المقدسی (م ۶۴۳ھ)

۷۱۔ تقدیم، مراجعہ، و تحقیق نصوص، مصر ۱۴۱۸ھ

۷۲۔ كفاية الأخيار فی حل غاية الاختصار لأبی بكر محمد الشافعی (من علماء القرن التاسع الهجری) تحقیق و تخریج مصر ۱۴۱۷ھ

۷۳۔ کتاب التوحید للشیخ محمد بن عبد الوهاب (م ۱۲۰۶ھ) والقول السدید فی مقاصد التوحید للشیخ عبد الرحمٰن سعدی (م ۱۳۷۶ھ)

۷۴۔ تبسیط علم التخریج مصر ۱۴۱۸ھ

۷۵۔ تهذيب الأخلاق للعلامة عبد الحی الحسنی مراجعہ و تحقیق نصوص مصر ۱۴۱۹ء

☆ محمد زکریا سنبھلی ندوی (ندوۃ العلماء ۔ لکھنؤ)

۷۶۔ تکملہ "معارف الحدیث" جلد ہشتم زیر طباعت

☆ ابو سحبان روح القدس الندوی

۷۷۔ روائع الأعلاق شرح تهذيب الأخلاق لکھنؤ ۱۴۱۹ھ

۷۸۔ الحديث الضعيف حكم روايته ، وشروط العمل به ، و أثره السيئ فی الأمة (البعث، ذوالقعدہ ۱۴۰۷ھ لکھنؤ)

۷۹۔ مولانا علی میاں اور علم حدیث لکھنؤ ۱۴۲۱ھ

۸۰۔ سیرت نبوی کا تربیتی پہلو حدیث کی روشنی میں (بانگ درا۔ ستمبر تا دسمبر ۱۹۹۶ء لکھنؤ)

۸۱۔ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی (م ۱۴۱۴ھ) (تعمیر حیات ۲۵/ فروری، ۱۰/ مارچ ۱۹۹۴ء۔ لکھنؤ)

۸۲۔ محدث جلیل علامہ محمد ناصر الدین البانی (م ۱۴۲۰ھ) (نور توحید نومبر۔ دسمبر ۱۹۹۹ء نیپال) تعمیر حیات ۱۰/ مارچ ۲۰۰۰ء

۸۳۔ المحدث السيد عبدالحی بن فخرالدين الحسنی (م ۱۳۴۱ھ) حياته و آثاره

۸۴۔ مشکاۃ المصابیح اور اس کی شروح، حواشی، تعلیقات اور ترجمے کا تعارف

۸۵۔ تخريج الحديث ، مفهومه و طريقته، وأهم المصادر فيه (الملتقى الأول للدعاة فی الهند دہلی منعقدہ ۱۹۹۸ء میں دیا گیا لکچر)

۸۶۔ محاضرات فی علوم الحديث (جون ۱۹۹۹ء میں جامعہ ندویہ کالی کٹ اور جامعہ سلفیہ پولیکل۔ کیرالہ میں توسیع خطبات کے موقع علوم حدیث میں دیئے گئے لکچرس)

۸۷۔ فضلائے ندوہ کی حدیث اور تاریخ علم حدیث میں تصانیف، مقالے اور ترجمے (زیر تالیف)

☆ سید سلمان الحسینی الندوی (ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ)

۸۸۔ موجز حياة الإمام البخاری لکھنؤ ۱۴۱۷ھ

۸۹۔ التعريف الوجيز بكتب الحديث الشريف لکھنؤ ۱۴۱۳ھ

۹۰۔ لمحة عن علم الجرح والتعديل لکھنؤ ۱۴۱۳ھ

۹۱۔ مقدمة سنن الترمذی تحقیق و تعلیق لکھنؤ ۱۴۱۳ھ

۹۲۔ مقدمة الشیخ عبدالحق الدهلوی فی أصول الحدیث تقدیم و تعلیق۔ بیروت ۱۴۰۶ھ

۹۳۔ جمع ألفاظ الجرح والتعدیل و دراستها فی کتاب تهذیب التهذب (ا۔۴)

۹۴۔ دروس من الحدیث النبوی الشریف لکھنؤ ۱۴۱۹ھ

☆ محمد خالد غازی پوری ندوی (ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۹۵۔ منتخب مسنون دعائیں لکھنؤ ۱۴۱۹ھ

۹۶۔ مکانة الدرایة فی روایة الحدیث، "البعث" جمادی الآخرہ۔رمضان ۱۴۱۱ھ تعریب : محمد اکرم الندوی

☆ حفظ الرحمٰن الاعظمی الندوی (جامعہ ہدایت۔ جے پور، راجستھان)

۹۷۔ مسنون دعائیں ۱۴۱۹ھ

☆ ڈاکٹر صدر الحسن الندوی (جامعہ کاشف العلوم۔ اورنگ آباد۔ مہاراشٹر)

۹۸۔ المستشرقون والسنة النبویة۔ الإسلام و المستشرقون ص ۴۲۵۔۴۵۵ جده ۱۴۰۵ھ

☆ محمد ولی اللہ عبدالرحمان الندوی (رأس الخیمة)

۹۹۔ نبوءات الرسول ﷺ ما تحقق منها و ما لم یتحقق مصر ۱۴۱۰ھ

☆ ڈاکٹر بہاء الدین احمد الندوی (کیرالہ)

۱۰۰۔ الأدب المفر للبخاری۔ ترجمہ و تشریح بزبان ملیالم کیرالہ ۱۴۱۸ھ

☆ عبدالباری الندوی (جامعة الصالحات، رام پور، یوپی)

۱۰۱۔ أحادیث مختارة من سنن أبی داؤد، انتخاب و تعلیق رام پور

☆ محمد اکرم الندوی (لندن)

۱۰۲۔ نفحات الهند و الیمن بذکر أسانید الشیخ أبی الحسن ۔ ریاض ۱۴۱۹ھ

☆ محمد نعمان الدین الندوی (دار العلوم، حیدر آباد)

۱۰۳۔ الروائع و البدائع فی البیان النبوی بیروت ۱۴۲۰ھ

☆ سید صہیب الحسنی الندوی (جامعۃ سید احمد شہید۔ کٹولی، ملیح آباد)

۱۰۴۔ مختار "تهذيب الأخلاق" تحقیق و تلخیص لکھنؤ ۱۴۱۹ھ

☆ بلال عبدالحی الحسنی الندوی (ضیاء العلوم۔ رائے بریلی)

۱۰۵۔ الغناء فی الإسلام (شرح حدیث الربیع بنت معوذ بن عفراء) للعلامۃ عبدالحی الحسنی۔ مراجعہ اور تخریج و تعلیق لکھنؤ ۱۴۲۰ھ

۱۰۶۔ مبادیٔ و أصول فی علم حدیث الرسول لکھنؤ

۱۰۷۔ نظرات فی الحدیث للعلامۃ السید أبی الحسن علی الحسنی الندوی، جمع و تعلیق۔ بیروت ۱۴۲۰ھ

۱۰۸۔ حدیث کی روشنی۔ لکھنؤ ۱۴۲۰ھ

۱۰۹۔ منتهى الأفكار في شرح تلخيص الأخبار للعلامة عبدالحي الحسني تحقیق و تعلیق (زیر تحقیق)

☆ یوسف محمد الندوی (کلیۃ جوہر الہدی۔ کیرالہ)

۱۱۰۔ خطبات نبوی حدیث کی روشنی میں، بزبان ملیالم۔ کیرالہ ۱۹۹۵ء

۱۱۱۔ رمضان حدیث کی روشنی میں بزبان ملیالم۔ کیرالہ ۱۹۹۸ء

☆ شاہد حسین ندوی (دار العلوم العربیۃ الإسلامیۃ۔ راجستھان)

۱۱۲۔ عیادت سے تعزیت تک قرآن اور حدیث کی روشنی میں۔ جودھ پور ۱۴۲۰ھ

ooo